عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کا ترجمان

ہفت روزہ

ختم نبوۃ

INTERNATIONAL URDU WEEKLY **KHATM-E-NUBUWWAT** KARACHI PAKISTAN

جلد: ۳۲ | ۱۶ تا ۲۲ رشوال المکرم ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۳ تا ۳۱ راگست ۲۰۱۳ء | شمارہ: ۳۳

ہماری عائلی مشکلات اور اُن کے اسباب

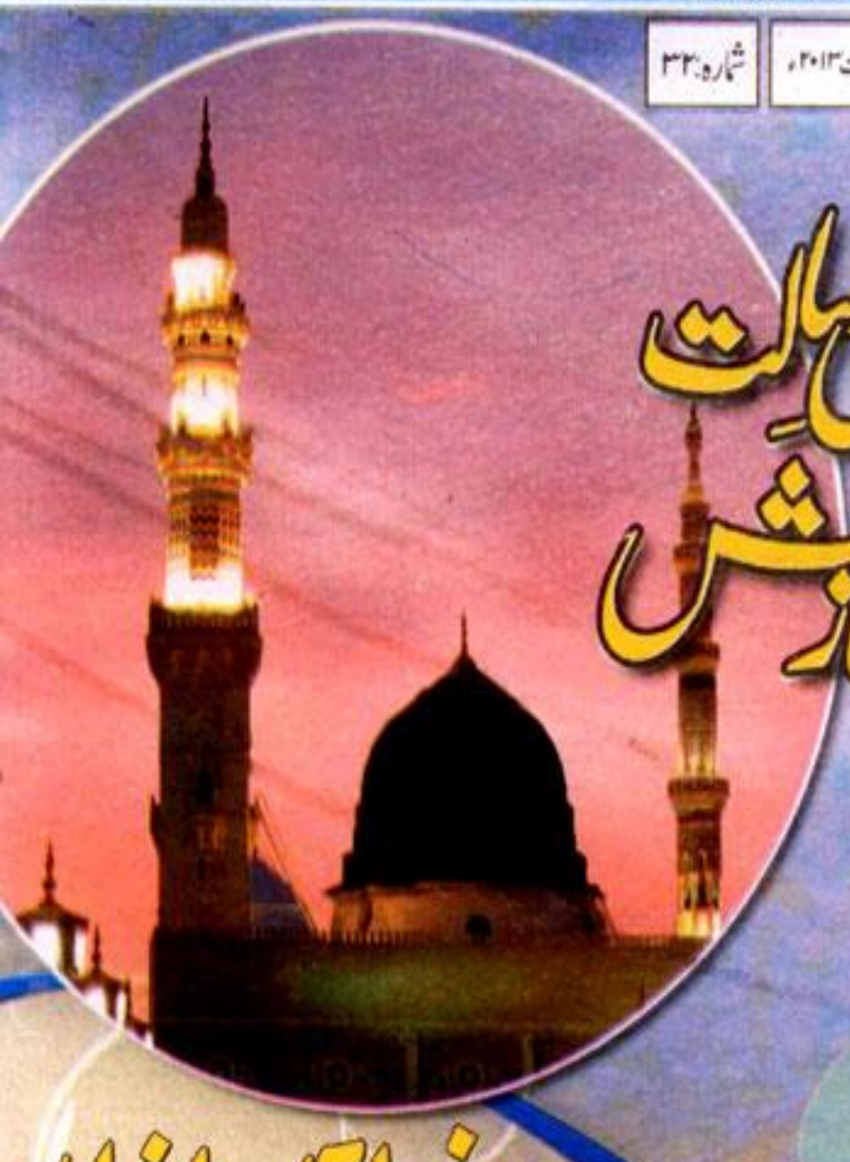

قانون تحفظِ ناموسِ رسالت ختم کرنے کی سازش

مساجد کا کردار

مرزا قادیانی اور اسلامی عبادات

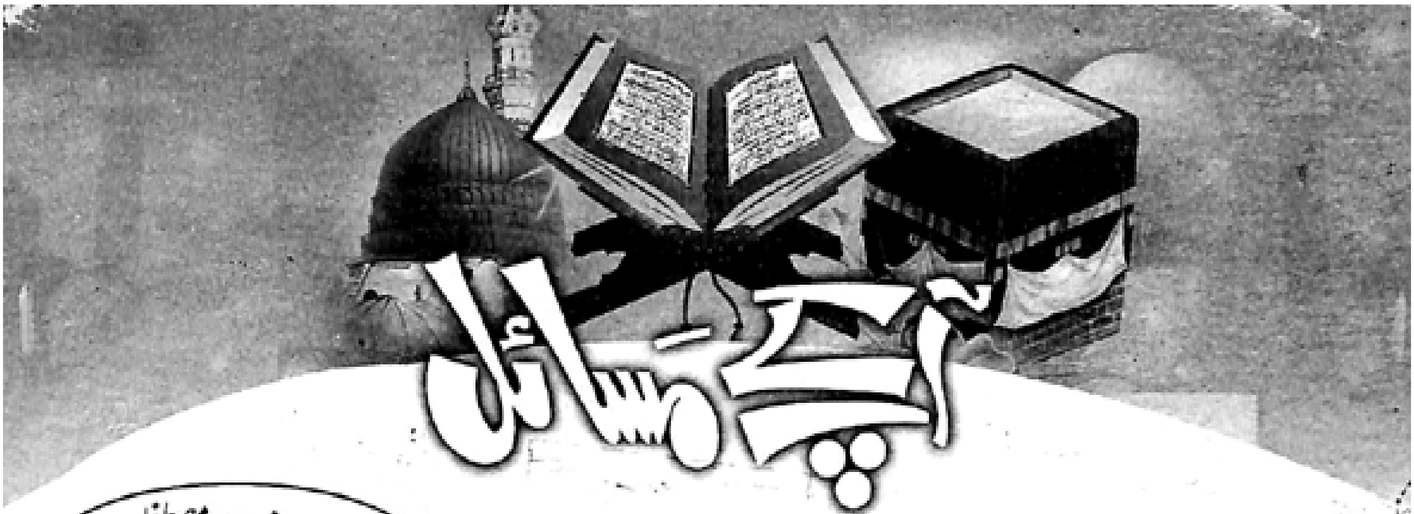

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

رمضان کے روزے

ابوحسن، کراچی

س:...... اگر کوئی رمضان کے روزے بلاعذر نہ رکھے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

ج:...... رمضان کے روزے بلاعذر چھوڑنا گناہ کبیرہ ہے، ساری عمر بھی روزے رکھے تو وہ روزے رمضان کے ایک روزے کے برابر نہیں ہوسکتے، اس سے بڑی محرومی کی اور کیا بات ہوگی؟ اس لئے رمضان المبارک میں روزے ضرور رکھے جائیں، اگر کسی نہ رکھے ہوں تو وہ توبہ و استغفار کرے اور ان روزوں کی قضا رکھے۔

روزہ کا فدیہ

س:...... ایک روزہ کا فدیہ ایک مسکین کو صدقۂ فطر کے برابر رقم دینا ہے، آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ ۳۰ روزوں کا فدیہ ایک مسکین کو ایک ساتھ دے سکتے ہیں؟

ج:...... جو شخص روزہ رکھنے پر قادر نہیں اور نہ ہی آئندہ قدرت ہونے کی امید ہے وہ روزہ کا فدیہ دے سکتا ہے، رمضان شروع ہونے کے بعد ایک ساتھ ۳۰ روزوں کا فدیہ دینا بھی صحیح ہے، مگر فدیہ ادا کرنے کے بعد رمضان میں ہی یا رمضان کے بعد جب بھی تندرستی ہوجائے اور روزہ رکھنے کی استطاعت ہو تو روزہ رکھنا ضروری ہوگا اور فدیہ کالعدم ہوجائے گا۔

جان بوجھ کر روزہ توڑنا

س:...... اگر کوئی رمضان کا روزہ جان بوجھ کر توڑ لے تو کفارہ کیا ادا کرنا ہوگا، ساٹھ روزے رکھنا ہوں گے یا ان کا فدیہ بھی دے سکتا ہے؟

ج:...... صحیح اور تندرست مرد و عورت کو رمضان کا روزہ جان بوجھ کر توڑنے کی وجہ سے کفارہ کے طور پر مسلسل ساٹھ روزے رکھنا ہوں گے۔ درمیان میں اگر ایک روزہ بھی چھوٹ جائے تو دوبارہ نئے سرے سے شروع کرنا ہوں گے۔ مسلسل ساٹھ روزے جب پورے ہوں گے تو کفارہ ادا ہوگا، فدیہ دینا ان کے لئے جائز نہیں۔

سونا اور نقدی پر زکوٰۃ

س:...... میرے پاس تین تولہ سونا ہے اور پچیس ہزار روپے سال بھر موجود رہے تو کیا ان پر زکوٰۃ ہوگی، اگر زکوٰۃ ہوگی تو کتنی ہوگی؟

ج:...... کچھ سونا اور کچھ چاندی موجود ہو یا کچھ سونا اور نقدی موجود ہو تو دونوں چیزوں کی مجموعی مالیت کا حساب کرلیا جائے، اگر وہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کے بقدر ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ اس لحاظ سے آپ پر زکوٰۃ فرض ہے، تین تولہ سونے کی مالیت معلوم کرکے پچیس ہزار کو ساتھ شامل کرلیں اور مجموعی رقم پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کردیں۔

پرندوں پر زکوٰۃ

س:...... میرے پاس پرندے ہیں جو میں نے کاروبار کی نیت سے خریدے ہوئے ہیں اور ان سے جو بچے پیدا ہوتے ہیں، ان کو میں فروخت کردیتا ہوں، کیا ان پرندوں پر زکوٰۃ ہوگی یا جو بچے پیدا ہوئے ہیں ان پر زکوٰۃ ہوگی؟

ج:...... تجارت کی نیت سے جو آپ نے پرندے خریدے ہوئے ہیں ان سب کی مجموعی مالیت مارکیٹ ریٹ کے مطابق معلوم کریں اور اس پر ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کردیں۔

پلاٹ پر زکوٰۃ

س:...... میں نے کچھ پلاٹ خریدے تھے، اس نیت سے کہ پیسے محفوظ ہوجائیں گے، اب ان کی قیمت زیادہ ہوگئی ہے تو کیا اس پلاٹ پر زکوٰۃ ہوگی اور اگر ہوگی تو قیمت خرید پر ہوگی یا قیمت موجودہ پر؟

ج:...... مکان، دکان یا پلاٹ اور فلیٹ وغیرہ خریدتے وقت ہی فروخت کی نیت ہو تو یہ تجارت کی مد میں آجائیں گے اور ان پر مارکیٹ ریٹ کے حساب سے زکوٰۃ ہوگی۔ زکوٰۃ ادا کرتے وقت ان کی جو بھی مالیت ہوگی اس پر ڈھائی فیصد زکوٰۃ ہوگی اور اگر خریدتے وقت فروخت کرنے کی نیت نہیں تھی بلکہ جائیداد بنانے کی غرض سے یا بچوں کے لئے یا رہائش کے لئے خریدے تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔

ہفت روزہ
ختم نبوۃ
مجلس

جلد:۳۲ ۱۴تا۲۲رشوال المکرم ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۳تا۳۱ راگست ۲۰۱۳ء ۔ شمارہ:۳۲

مجلس ادارت
مولانا سید سلیمان یوسف بنوری صاحبزادہ مولانا عزیز احمد
علامہ احمد میاں حمادی مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی
مولانا قاضی احسان احمد

سرپرست
حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ
حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر مدظلہ
مدیر اعلیٰ
مولانا عزیز الرحمن جالندھری
نائب مدیر اعلیٰ
مولانا محمد اکرم طوفانی
مدیر
مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ
معاون مدیر
عبداللطیف طاہر
قانونی مشیر
حشمت علی حبیب ایڈووکیٹ
منظور احمد میو ایڈووکیٹ
سرکولیشن منیجر
محمد انور رانا
تزئین وآرائش:
محمد ارشد خرم محمد فیصل عرفان خان

بیاد
امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ
مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ
مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اخترؒ
محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ
خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ
فاتح قادیان حضرت اقدس مولانا محمد حیاتؒ
مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ
ترجمان ختم نبوت مولانا محمد شریف جالندھریؒ
جانشین حضرت بنوری حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ
شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ
حضرت مولانا سید انور حسین نفیس الحسینیؒ
مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالرحیم اشعرؒ
شہید ختم نبوت حضرت مفتی محمد جمیل خانؒ
شہید ناموس رسالت مولانا سعید احمد جلال پوریؒ

[illegible]

قانون تحفظ ناموس رسالت ختم کرنے کی سازش	۵	محمد اعجاز مصطفیٰ
ہماری عائلی مشکلات اور ان کے اسباب	۹	ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی رحمۃ اللہ علیہ
عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اخترؒ	۱۳	ڈاکٹر خالد محمود سومرو
مساجد کا کردار!	۱۷	انتخاب: ابوعمیرہ خان
مرزا قادیانی اور اسلامی عبادات	۲۱	شیخ راحیل احمد، جرمنی
مرزا صاحب کی پیش گوئیاں (۵)	۲۳	مولانا لال حسین اخترؒ
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں!	۲۷	م: مولانا محمد اسمٰعیل شجاع آبادی

زر تعاون بیرون ملک
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا: ۹۵ ڈالر، یورپ، افریقہ: ۷۵ ڈالر، سعودی عرب،
متحدہ عرب امارات، بھارت، مشرق وسطی، ایشیائی ممالک: ۶۵ ڈالر
زر تعاون اندرون ملک
فی شمارہ ۱۰ روپے، ششماہی: ۲۲۵ روپے، سالانہ: ۴۵۰ روپے
چیک۔ ڈرافٹ بنام ہفت روزہ ختم نبوت، اکاؤنٹ نمبر 8-363 اور اکاؤنٹ نمبر 2-927
الائیڈ بینک بنوری ٹاؤن برانچ (کوڈ: 0159) کراچی پاکستان ارسال کریں۔

رابطہ دفتر: جامع مسجد باب الرحمت (ٹرسٹ)
ایم اے جناح روڈ کراچی، فون: ۳۲۷۸۰۳۳۷، فیکس: ۳۲۷۸۰۳۴۰
Jama Masjid Bab-ur-Rehmat (Trust)
Old Numaish M.A.Jinnah Road Karachi
Ph:32780337, 34234476 Fax:32780340

مرکزی دفتر: حضوری باغ روڈ، ملتان
فون: ۰۶۱-۴۷۸۳۴۸۶، ۰۶۱-۴۵۸۳۴۸۶
Hazori Bagh Road Multan
Ph:061-4583486, 061-4783486

لندن آفس:
35,Stockwell Green
London, SW9 9HZ U.K
Ph:0207-737-8199

ناشر: عزیز الرحمن جالندھری مطبع: القادر پرنٹنگ پریس طابع: سید شاہد حسین مقام اشاعت: جامع مسجد باب الرحمت ایم اے جناح روڈ کراچی

درسِ حدیث

جنت کے مناظر

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

اہلِ جنت کی اپنی بیویوں سے مقاربت

"حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: مؤمن کو جنت میں جماع کی اتنی اور اتنی قوت عطا کی جائے گی۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا وہ اس کی طاقت رکھتا ہوگا؟ فرمایا: اسے سو آدمیوں کی طاقت عطا کی جائے گی۔"

(ترمذی، ج:۲، ص:۷۹)

جنت کے دروازوں کا بیان

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری اُمت کا دروازہ جس سے وہ جنت میں داخل ہوگی (اتنا وسیع اور کشادہ ہے کہ) اس کی چوڑائی تیز رفتار گھڑسوار کی تین دن (یا تین سال) کی مسافت ہے، اس کے باوجود اس قدر بھیڑ ہوگی کہ (کھوے سے) کھوا چھلتا ہوگا، اور قریب ہوگا کہ ان کے کندھے اُتر جائیں۔"

(ترمذی، ج:۲، ص:۷۸)

جنت کے دروازے کی وسعت کے بارے میں متعدد اُحادیث وارد ہوئی ہیں، چنانچہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جنت کے دو پٹوں کے درمیان چالیس سال کی مسافت ہے۔ (رواہ احمد وابو یعلی ورجالہ وثقوا علی ضعف فیھم)

حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پورا کروگے ستر اُمتوں کو، جن میں تم سب سے آخر میں ہو، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے معزز ہو، اور جنت میں دو پٹوں کے درمیان کا فاصلہ چالیس برس کی مسافت ہے، اور اس پر ایک دن آئے گا کہ وہ (کثرتِ اِزدحام کی وجہ سے) گھٹا ہوا ہوگا۔

(رواہ احمد ورجالہ ثقات)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جنت میں دو پٹوں کے درمیان کا فاصلہ چالیس سال کی مسافت ہے، اور اس پر ایک دن آئے گا کہ اس پر ایسا اِزدحام ہوگا جیسے پانچ دن کے پیاسے اُونٹ پانی پر جائیں تو ان کا پانی پر اِزدحام ہوتا ہے۔ (رواہ الطبرانی وفیہ وزیک بن ابی وزیک ولم اعرفہ وبقیۃ رجالہ ثقات، مجمع الزوائد ج:۱۰ ص:۳۹۷)

خالد بن عمیر کہتے ہیں کہ حضرت عتبہ بن غزوان نے (جو بصرہ کے امیر تھے) ہمیں خطبہ دیا، اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: دُنیا خاتمے کا اعلان کرچکی ہے، اور تیزی سے ختم ہوتی ہوئی بھاگ رہی ہے، اور اس میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہا سوائے تلچھٹ کے، جیسے برتن میں تلچھٹ رہ جاتی ہے، جس کو اس کا مالک چوستا ہے، اور تم یہاں سے ایک ایسے گھر کی طرف منتقل ہوگے جس کے لئے زوال نہیں، پس جو کچھ تمہارے پاس موجود ہے اس سے بہتر کے ساتھ وہاں منتقل ہو، کیونکہ ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ایک پتھر جہنم کے منڈیرے سے پھینکا جائے گا، وہ ستر سال تک اس میں گرتا رہے گا لیکن اس کی گہرائی تک نہیں پہنچے گا، اور اللہ کی قسم! وہ جہنم البتہ بھردی جائے گی، کیا تمہیں تعجب ہے...؟ اور ہم سے ذکر کیا گیا کہ جنت کے دروازے کے دو پٹوں کا فاصلہ چالیس برس کی مسافت کا ہوگا، اور اس پر ایک دن ایسا آئے گا کہ وہ ہجوم کی وجہ سے پٹا ہوا ہوگا، اور میں نے اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات میں سے ساتواں آدمی تھا، اور ہمارے پاس درخت کے پتوں کے سوا اور کوئی خوراک نہیں تھی، یہاں تک کہ پتے کھاتے کھاتے ہماری باچھیں چھل گئیں، پھر مجھے ایک چادر پڑی مل گئی، میں نے چیر کر اس کے دو حصے کرلئے، ایک حصے کی لنگی میں نے باندھ لی، اور دُوسرے حصے کی سعد بن مالک نے، آج ان ساتوں میں ہر ایک کسی نہ کسی شہر کا امیر ہے، اور میں اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں کہ میں اپنے جی میں بڑا بنتا پھروں اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں چھوٹا رہوں۔ اور دیکھو! کبھی کوئی نبوت نہیں ہوئی مگر رفتہ رفتہ اس کے آثار مٹتے گئے، اور آخرکار ملوکیت رہ گئی، اب تم کو ہمارے بعد کے اُمراء سے سابقہ پڑے گا، اور تم ان کا تجربہ کروگے۔ (صحیح مسلم، ج:۲، ص:۴۰۸)

مذکورہ بالا احادیث میں جنت کے دروازے کی مسافت چالیس برس کی ذکر کی گئی ہے، اور ترمذی کی حدیث الباب میں تیز رفتار گھوڑے کی رفتار سے تین دن یا تین برس کی مسافت ذکر کی گئی ہے۔ ترمذی کی روایت اوّل تو کمزور ہے، جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے تصریح فرمائی ہے، علاوہ ازیں یہ توجیہ بھی ہوسکتی ہے کہ کم مقدار میں حصر مقصود نہیں، بلکہ مراد اس سے طولِ مسافت کا ذکر کرنا ہے اس لئے جن احادیث میں زیادہ مسافت آئی ہے، یہ ان کے منافی نہیں۔ ☆☆☆

اداریہ

محمد اعجاز مصطفیٰ

قانون تحفظ ناموسِ رسالت ختم کرنے کی سازش!

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

پاکستان جو اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا اور آج تک ہر چودہ اگست کے دن یہ لفظ زیادہ سننے اور پڑھنے کو ملتا ہے کہ ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لاالٰہ الااللّٰہ'' آج اسی پاکستان میں چور، ڈاکو، زانی، مراشی، ملکی استحکام کے خلاف بولنے والے اینکروں اور ملکی سالمیت کو داؤ پر لگانے والے بعض سیاستدانوں جیسے مجرموں اور بدکرداروں سے لے کر ملکی خزانہ لوٹنے اور ہڑپ کرنے والے ملک دشمنوں اور غداروں تک کے کچھ نہ کچھ حقوق اور مراعات کو تحفظ اور پشت پناہی حاصل ہے، لیکن دین اسلام، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، دینی اقدار و اخلاقیات اور مذہبی مقامات کو نہ تو کوئی خاطر خواہ تحفظ حاصل ہے اور نہ ہی اُن کی صیانت وحفاظت کے لئے کوئی قانون حرکت میں آتا ہے اور نہ ہی اُن کی بے اکرامی اور توہین کرنے والوں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا جاتا ہے۔

حد تو یہ ہے کہ وہ چند قوانین اور دفعات جو امت مسلمہ کی عظیم قربانیوں اور علمائے کرام کی طویل جدوجہد، کوششوں اور کاوشوں کے بعد وضع کیے گئے، مغربی استعمار، اُن کے زرخرید ایجنٹوں، آئین پاکستان کے باغی قادیانیوں اور قادیانی نواز ٹولے نے روز اول سے ہی ان قوانین کو دل سے قبول نہ کرنے کا تہیہ کر کے اُنہیں آئین پاکستان سے خارج کرنے اور غیر مؤثر بنانے کی مسلسل مذموم سازشیں اور ناپاک جسارتیں کرتے رہے اور آج تک ہو رہی ہیں، جیسا کہ گزشتہ دنوں روزنامہ امت نے یہ خبر شائع کی ہے کہ امریکہ کے وزیر خارجہ جان کیری کے مجوزہ دورۂ پاکستان کے موقع پر جہاں اور باتیں اور نئے عہد و پیمان ہوں گے، وہاں امریکہ کی پارلیمنٹ کے سینئر ۲۷ ارکان نے امریکی وزیر خارجہ کو لکھے ایک خط میں مطالبہ کیا ہے کہ وہ دورۂ پاکستان کے دوران وہاں مذہبی آزادی کو یقینی بنائیں۔ اس خبر کی تفصیل یہ ہے:

''اسلام آباد/واشنگٹن (مانیٹرنگ ڈیسک/ایجنسیاں) امریکی محکمہ خارجہ کی جانب سے اس بات کی تصدیق کے باوجود کہ جان کیری ۲۹ یا ۳۰ جولائی کو پاکستان کا دورہ کر سکتے ہیں، حتمی تاریخ کے حوالے سے ابہام تاحال باقی ہے۔ واشنگٹن میں بریفنگ دیتے ہوئے نائب ترجمان مری ہارف نے بتایا کہ وزیر خارجہ ۲۹ اور ۳۰ جولائی کو پاکستان جانے کا سوچ رہے ہیں، جہاں وہ بہت سے معاملات پر بات چیت کر سکتے ہیں، تاہم یہ بات قطعی طور پر نہیں بتائی جا سکتی کہ وہ کب جائیں گے۔ امریکی ایلچی جیمز ڈوبنز کے رواں ہفتے اسلام آباد جانے کے سوال پر انہوں نے کہا کہ وہ اس حوالے سے کچھ نہیں کہہ سکتیں۔ اسی دوران ۲۷ سینئر ارکان پارلیمنٹ نے وزیر خارجہ کو لکھے ایک خط میں مطالبہ کیا ہے کہ وہ دورۂ پاکستان کے دوران وہاں مذہبی آزادی کو یقینی بنائیں۔ خط کے متن کے مطابق امریکی ارکان پارلیمنٹ نے پاکستان میں غیر مسلم اقلیتوں خصوصاً ہندو، عیسائی، احمدی مذہب کے ماننے والوں اور شیعہ فرقے کے خلاف بڑھتے ہوئے تشدد کے واقعات پر شدید تحفظات کا اظہار کیا اور زور دیا کہ محکمہ خارجہ مذہبی آزادی کے فروغ کے لئے پاکستان کے ساتھ مل کر اقدامات کرے، جن میں توہین رسالت کے قانون اور اقلیتوں کے ساتھ ساتھ خواتین اور لڑکیوں کی کمتر حیثیت کو اداراتی صورت دینے کے حوالے سے کوئی بھی آئینی شق یا قانون کی تبدیلی یا خاتمہ شامل ہیں۔ خبر ایجنسی آئی این پی کے مطابق اسلام آباد میں اعلیٰ حکام نے جان کیری کے مجوزہ دورے کے حوالے سے تیاریاں شروع کر دی ہیں۔ بعض مذہبی جماعتوں کے قائدین سے ملاقاتیں فائنل کر لی گئیں اور حتمی شیڈول طے کرنے کے لئے ہوم

ورک کیا جارہا ہے۔ ذرائع کے مطابق جے یو آئی (ف) کے امیر مولانا فضل الرحمٰن اور متحدہ دینی محاذ کے سربراہ مولانا سمیع الحق سے روابط اور ملاقاتوں کی درخواست امریکہ کی طرف سے کی گئی۔ (روزنامہ امت، ۲۸؍جولائی ۲۰۱۳ء مطابق ۱۸؍رمضان ۱۴۳۴ھ)

اس خط کے مندرجات میں ایک ہی سانس میں بیک وقت جہاں مذہبی آزادی کا ذکر کیا گیا، قانونِ تحفظ ناموسِ رسالت کو تبدیل کرنے یا ختم کرنے کی بات کی گئی، وہاں یہ خط پاکستان اور پاکستانی قوم کے لئے مستقبل میں پیش آمدہ خطرات کی عکاسی اور چغلی بھی کھا رہا ہے۔

وہ اس طرح کہ امریکہ، مغربی استعمار اور اس کے حواری قادیانی یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان میں بھی مذہبی آزادی کے نام پر خلفشار ہو، اختلاف ہو، لڑائی جھگڑا اور خانہ جنگی ہو، جیسا کہ تقریباً پوری اسلامی دنیا میں یہ سب کیا جارہا ہے۔ حالانکہ پاکستان میں آئین پاکستان کی رو سے ہر ایک مذہب والے کو مذہبی آزادی حاصل ہے، چاہے وہ ہندو ہوں یا عیسائی، آج تک اُنہیں اپنے مذہب کے حوالے سے مسلمانوں سے اور مسلمانوں کو ان سے اور نہ ہی حکومت سے کبھی کوئی معقول شکایت ہے اور نہ رہی ہے۔

اس کے برعکس طاقت کے غرور اور تکبر کے نشے میں بدمست ہو کر مسلمانوں کی طاقت کو توڑنے، انہیں کمزور کرنے اور اپنی ہوسِ انتقام کا نشانہ بنانے کے لئے امریکہ نے پوری دنیا کے سامنے عراق میں کیمیائی ہتھیاروں کی موجودگی کا سفید جھوٹ بول کر اقوامِ متحدہ کو اپنے ساتھ ملا کر عراق پر چڑھائی کی، وہاں کے مسلمانوں کو تہہ تیغ کیا، ان کی آبادیوں کو تباہ و برباد اور مسمار و ویران کیا اور آج تک وہاں بم دھماکے اور فسادات ہو رہے ہیں۔ اسی طرح اس سے پہلے نائن الیون کا ڈرامہ رچا کر افغانستان پر یلغار کردی اور کئی سال تک وہاں بمباری اور اپنے فوجیوں کے ذریعے نہتے معصوم مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ اسی طرح انہیں کی سازشوں اور شہ سے شامی فوج سنی عوام کو گاجر مولی کی طرح کاٹ رہی ہے، حتیٰ کہ وہاں صحابہ کرامؓ و اہل بیتؓ کے مزارات پر بم برسا کر مقدس مقامات کو مسمار کیا جارہا ہے۔ مصر میں منتخب حکومت کو بمشکل ایک سال ہی گزرا تھا کہ اس کا تختہ الٹ کر مصری عوام کو خانہ جنگی کی طرف دھکیل دیا گیا اور مظاہرین پر عین نماز کی حالت میں گولیاں برسا کر ایک ایک وقت میں سینکڑوں نمازیوں کو جامِ شہادت پلا دیا گیا اور ابھی تک وہاں صورت حال کنٹرول سے باہر ہے، نامعلوم ابھی کتنا مزید مظلوم مسلمانوں کو ظلم و ستم اور تشدد و بربریت کا سامنا کرنا پڑے گا اور کتنے مصری نوجوان و بزرگ اس بربریت کی بھینٹ چڑھ کر شہداء کی فہرست میں داخل ہوں گے۔ ادھر بنگلہ دیش میں جہاں حکومت اپنے مخالفین جماعت اسلامی کے لیڈروں کو سزائے موت اور عمر قید کی سزائیں سنا رہی ہے، وہاں سے کئی حلقوں کی جانب سے یہ خبریں بھی گشت کر رہی ہیں کہ مسلمان مظاہرین پر حملہ کرا کے ہزاروں کی تعداد میں مسلمانوں کو شہید کیا گیا اور ان کی نعشوں کو کنٹینروں میں بھر بھر کر سمندر برد کیا گیا۔ یہ سب کچھ مسلمان ممالک میں ہو رہا ہے۔ قتل کرنے والے بھی مسلمان اور قتل ہونے والے بھی مسلمان۔ اور ادھر برما میں ایک سال سے زائد عرصہ ہو گیا کہ وہاں کے مسلمانوں کو ذبح کیا جارہا ہے، ان کی عورتوں کی عصمتیں تار تار کی جارہی ہیں، ان کے بچوں کو گولیوں سے چھلنی کیا جارہا ہے، ان کے بزرگوں کو دردناک اذیتیں دی جارہی ہیں۔ امن کے ٹھیکیدار، انسانی حقوق کی علمبردار تنظیمیں اور اقوام متحدہ جیسا امریکہ کے طفیلی ادارے اس تمام تر صورت حال پر نہ صرف یہ کہ مہر بلب ہیں، بلکہ محسوس یوں ہوتا ہے کہ وہ حقیقت میں اس پر خوش بھی ہیں کہ چلو مسلمان قتل اور ذبح ہو رہے ہیں۔

اور اب مذہبی آزادی کا ڈرامہ رچا کر یہ خانہ جنگی پاکستان منتقل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ دنیا کا باشعور اور دانشور طبقہ بخوبی جانتا ہے کہ یہی استعمار ہی تھا کہ جس کی درپردہ سازشوں نے پاکستان میں لسانیت، قومیت اور صوبائیت کو ایک مدت تک ہوا دی اور ہزاروں بے گناہ انسان ان تعصبات کی بھینٹ چڑھ گئے۔ اسی نے فرقہ وارانہ تعصبات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور سنی، شیعہ عوام کو باہم دست و گریباں کرا کے ہزاروں قیمتی جانوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا، اب ایک بار پھر اس مذہبی آزادی، اقلیتوں کے حقوق اور فرقوں کی مظلومیت کے عنوان سے فرقہ وارانہ آگ بھڑکانے کی مذموم اور مسموم سازش کی جارہی ہے۔

سنی علماء ہوں یا شیعہ ذاکرین، سب ہی جانتے ہیں کہ ہم سب دہشت گردی کا شکار ہیں اور ہمیں قتل کرنے والا کوئی تیسرا فریق ہے جو کبھی کسی لباس میں نمودار ہوتا ہے تو کبھی کسی اور لبادہ میں شب خون مارتا ہے، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی صفوں کو متحد رکھیں، اس دہشت گردی سے جان چھڑانے کے لئے سر جوڑ کر کسی ایک پلیٹ فارم پر بیٹھیں اور باہم اتفاق سے اس عفریت سے جان چھڑائیں، ورنہ ہمارا مشترک دشمن چھوٹی چھوٹی باتوں کو پروان چڑھا کر اور نت نئے عنوان اور ٹائٹل لگا کر ہمیں اسی طرح باہم دست و گریباں کردے گا، جس طرح کہ عراق، شام، مصر اور بنگلہ دیش کی عوام اور حکومت کے افراد باہم دست و گریباں ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ اسلام دشمن عناصر اس طرح فرقہ وارارانہ فسادات کرا کر ناموس رسالت کے قانون کے تحفظ سے ہماری توجہات ہٹا کر اپنے مہروں کو استعمال کر کے اس قانون کو ختم کرانا چاہتے ہیں،اس لئے مسلمانوں کو بیدار رہنا چاہیے اوران کی خفیہ اسکیموں اور تدبیروں کو ہر ممکن طریقہ سے ناکام بنانے کی سعی وکوشش کرتے رہنا چاہیے۔

تاریخ شاہد ہے اور ماضی کے حالات اور واقعات بتلاتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ اور ان کے ایجنٹ وقتاً فوقتاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عالی میں گستاخی کا ارتکاب کر کے مسلمانوں کو تڑپاتے رہتے ہیں۔یقین کی حد تک کہا جاسکتا ہے کہ ایسے گستاخانِ رسول اوران کی پشت پناہی کرنے والے دین دشمن لوگ محض مسلمانوں کو مضطرب وپریشان کرنے اور ان کے دلوں کو چھلنی کرنے کے لئے ایسی گستاخیاں کرتے ہیں۔چونکہ یہ قانون ان کے عزائم کی تکمیل اور ان کی راہ میں حائل ہے،اس لئے مختلف حیلوں بہانوں سے اس قانون کو ختم کرنے یا کم از کم اُسے تبدیل کرنے کی سازشیں کر رہے ہیں۔

انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ قانونِ ناموسِ رسالت راتوں رات نہیں بنایا گیا اور نہ ہی راتوں رات اُسے نافذ کیا گیا، بلکہ تمام آئینی وجمہوری تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے قانون ساز اداروں میں پوری بحث وتمحیص کے بعد اُسے نافذ کیا گیا۔اس کی کچھ روئیداد اور تفصیل یہاں نقل کی جاتی ہے:

تحفظ ناموسِ رسالت کا قانون ابتدائی طور پر انگریز کے دور میں بنا، جسے ۱۹۲۷ء میں تعزیرات ہند میں دفعہ ۲۹۵-الف سے موسوم کیا گیا اور اب مجموعہ تعزیرات پاکستان مطبوعہ یکم جولائی ۱۹۶۲ء میں درج ذیل الفاظ میں مذکور ہے:

”دفعہ ۲۹۵-الف۔جو کوئی شخص ارادتاً اور اس عداوتی نیت سے کہ پاکستان کے شہریوں کی کسی جماعت کے مذہبی احساسات کو بھڑکائے بذریعہ الفاظ زبانی یا تحریری اشکال محسوس العین اس جماعت کے معتقدات مذہبی کی توہین کرے یا توہین کرنے کا اقدام کرے، اُس کو دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی، جس کی میعاد دو برس تک ہوسکتی ہے یا جرمانے کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی“۔

چوہدری محمد شفیع باجوہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

”یہ دفعہ ۱۹۲۷ء میں ایجاد کی گئی،تاکہ اگر کسی مذہب کے بانی پر توہین آمیز حملہ کیا جائے تو ایسا کرنے والے کو سزا دی جاسکے۔اس سے پہلے اس قسم کے اشخاص کے خلاف دفعہ ۱۵۳-الف استعمال ہوا کرتی تھی،مگر ہائی کورٹ کے ایک فیصلہ کی رو سے یہ طریقہ غلط قرار پایا۔ تقریر کرنے والے یا مضمون لکھنے والے“۔ (شرح مجموعہ تعزیرات پاکستان ص:۱۲۱،۱۲۲)

اس قانون میں جو انگریز کے دور میں بنایا گیا،توہین رسالت کے جرم کی یہ سزا ناکافی تھی،اس لئے ۱۹۸۶ء میں تعزیرات پاکستان میں دفعہ ۲۹۵-سی کا اضافہ کیا گیا اور اس کے ذریعہ اس جرم کی سزا ”سزائے موت یا عمر قید مع جرمانہ تجویز کی گئی۔اس دفعہ کا متن حسب ذیل ہے:

”جو شخص الفاظ کے ذریعے خواہ زبان سے ادا کیے جائیں یا تحریر میں لائے گئے ہوں، یا دکھائی دینے والی تمثیل کے ذریعہ یا بلاواسطہ یا بالواسطہ تہمت یا طعن یا چوٹ کے ذریعہ نبی کریم (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام کی بے حرمتی کرتا ہے،اس کو موت یا عمر قید کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا“۔

قرآن وسنت کی روشنی میں توہین رسالت کی سزا صرف اور صرف موت ہی ہے اور تعزیرات پاکستان کی اس دفعہ ۲۹۵-سی میں اس جرم کی سزا ”سزائے موت یا عمر قید مع جرمانہ تجویز کی گئی تھی،اس لئے وفاقی شرعی عدالت نے ۱۰اکتوبر ۱۹۹۰ء میں اپنے ایک فیصلہ میں اس وقت کے صدر پاکستان کو ہدایت کی کہ ۳۰ر اپریل ۱۹۹۱ء تک اس قانون کی اصلاح کی جائے اور اس دفعہ میں ”یا عمر قید“ کے الفاظ حذف کر کے توہین رسالت کی سزا صرف ”موت“ مقرر کی جائے اور فیصلہ میں مزید کہا کہ اگر اس تاریخ تک حکومت نے قانون میں اصلاح نہ کی تو اس تاریخ کے بعد یہ الفاظ خود بخود کالعدم قرار پائیں گے اور صرف سزائے موت کا قانون قرار پائے گا۔اس مقررہ تاریخ تک حکومت نے اس قانون کی کوئی اصلاح نہ کی،اس لئے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ کے مطابق قانون یہ بن گیا کہ توہین رسالت کے جرم کی سزا صرف موت ہے۔

اس کے بعد قومی اسمبلی نے ۲رجون ۱۹۹۲ء کو متفقہ قرارداد منظور کی کہ توہین رسالت کے مرتکب کو سزائے موت دی جائے۔

پھر ۸؍جولائی ۱۹۹۲ء کو سینیٹ نے توہین رسالت کے مجرم کو سزائے موت کا ترمیمی بل منظور کیا اور بعد میں قومی اسمبلی نے بھی بحث و تمحیص کے بعد اس بل کو منظور کرلیا۔

خلاصہ یہ کہ شاتم رسول یا گستاخ رسول کو سزائے موت دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ نے اسی پر فیصلے کیے، تمام فقہائے امت اس پر متفق ہیں اور تمام اسلامی حکومتوں میں ہمیشہ اس پر عمل درآمد رہا۔

اب رہا یہ سوال کہ کیا توہین رسالت کے مجرم یا گستاخ رسول کو ریاست، عدالت، قاضی، جج یا پبلک معاف کرسکتی ہے یا نہیں؟ حافظ ابن تیمیہؒ اپنی کتاب ''الصارم المسلول'' میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''إن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان لہ أن یعفو عمن شتمہ وسبہ فی حیاتہ ولیس لأمتہ أن یعفو عن ذلک''۔

(الصارم المسلول، ص:۱۹۵)

ترجمہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حیات طیبہ میں یہ حق حاصل تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرنے والے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم معاف فرمادیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کو معاف کرنے کا حق حاصل نہیں''۔

اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں کسی دریدہ دہنی کرنے والے موذی کو معاف فرمایا یا کسی سے درگزر کا معاملہ کیا تو چونکہ یہ خالص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حق کو معاف کیا تھا، لیکن امت کے حق میں یہ قانون' قانونِ الٰہی کی حیثیت رکھتا ہے کہ شاتم رسول کو موت کی سزا دی جائے، اس لئے امت اس قانون کو منسوخ یا معطل کرنے اور شاتم رسول کو معاف کرنے کی مجاز نہیں۔

شنید ہے کہ وفاقی شرعی عدالت نے بھی آئین پاکستان ۱۹۷۳ء کے آرٹیکل ۲۰۳-ڈی کے تحت حاصل اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے تعزیرات پاکستان مجریہ ۱۸۶۰ کی چند دفعات کا احکام اسلام کی روشنی میں ازخود جائزہ لینے کا سلسلہ شروع کیا ہے، منجملہ ان میں دفعہ ۲۹۵، ۲۹۵-اے، ۲۹۵-سی، اور دفعہ ۲۹۸ جو توہین رسالت اور قرآن کریم کی توہین کے مجرم کے متعلق سزاؤں کو بیان کرتی ہیں، ان کے متعلق اسلام آباد اور لاہور سے تعلق رکھنے والے علمائے کرام، مفتیان عظام اور مشیرانِ فقہ کی آراء مانگی ہیں اور ان کو سن بھی چکی ہے۔

ہم بصد ادب و احترام وفاقی شرعی عدالت سے عرض کرنا چاہیں گے کہ جن دفعات میں خود وفاقی شرعی عدالت نے حکومت سے کہہ کر اصلاح کرائی ہو اور وہ مکمل آئینی طریقہ کار اور تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے آئین کا حصہ بنی ہوں، ان کے بارہ میں نئے سرے سے بحث کا آغاز کرنا اور مختلف علمائے کرام اور دارالافتاؤں سے اس کے بارہ میں استفسار کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اس لئے ہماری درخواست ہے کہ اس قانون کو من و عن ایسے ہی رکھا جائے اور اس میں کسی قسم کی نئی بحث کا آغاز کرکے اس قانون کو کمزور نہ کیا جائے، ورنہ ہر آدمی قانون کو خود ہاتھ میں لے لے گا اور ملک میں انارکی اس حد تک پھیلے گی کہ جس کا سدباب کرنا حکومت اور انتظامیہ کے بس میں نہیں رہے گا۔

ماضی قریب میں بھی حکومتی سطح پر اس قانون کو تبدیل کرنے کی جسارت کی گئی تھی کہ جس پر کراچی تا خیبر تحریک چلی، جس سے حکومت اور انتظامیہ بے بس ہوگئی، بالآخر اس وقت کے وزیر قانون جناب بابر اعوان صاحب کی وزارت نے اس قانون کے تمام پہلوؤں پر قرآن و سنت کی روشنی میں غور و خوض کیا اور ایک جامع رپورٹ مرتب کرکے سابق وزیر اعظم جناب یوسف رضا گیلانی صاحب کو پیش کی، جس میں قرار دیا گیا کہ توہین رسالت کے مجرم کی سزا سزائے موت ہی ہے اور اس سزا کو جوں کا توں ہی برقرار رکھا جائے۔

اس لئے حکومت سے ہماری التجا اور درخواست ہے کہ چاہے بیرونی دنیا کے لوگ ہوں یا اپنے ملک کے اندر رہنے والے اس قانون سے خائف افراد اُن سب پر واضح کردیا جائے کہ پاکستان مسلمانوں کا ملک ہے اور تمام مسلمان اپنے آقا رحمت عالم ﷺ سمیت تمام انبیائے کرام علیہم السلام اور قرآن کریم کی عزت و حرمت کا تحفظ چاہتے ہیں، اس لئے اس قانون میں کسی قسم کی تبدیلی یا منسوخی ہم نہیں کرسکتے۔ اس لئے اس قانون کے متعلق ہم سے کسی قسم کی بات نہ کی جائے اور نہ ہی اس بارہ میں ہماری مسلم قوم کو مزید کسی پریشانی میں مبتلا کیا جائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ وصحبہ اجمعین

ہماری عائلی مشکلات اور ان کے اسباب

تحریر: ڈاکٹر مصطفیٰ سباعیؒ
ترجمہ: ڈاکٹر صہیب حسن، لندن

میرے خیال میں ایک انسان کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی خوش بختی نہیں کہ وہ اپنے گھر میں خوش بخت ہو اور اس سے بڑھ کر اور کوئی بدبختی نہیں کہ وہ اپنے اہل وعیال کے معاملہ میں بدبخت ہو، جو شخص اپنے گھر میں خوش وخرم ہو وہ لوگوں کے ساتھ بھی خوش وخرم رہے گا اور جو شخص اپنے گھر میں کبیدہ خاطر رہتا ہو اور دلی اطمینان کھو بیٹھا ہو، وہ لوگوں کے ساتھ بھی بدخلقی کے ساتھ پیش آئے گا، ان سے جی چھڑاتا نظر آئے گا اور اگر ان کے ساتھ معاملات کرے گا تو تنگ ظرفی کا مظاہرہ کرے گا، اہل مغرب اگر ہر جرم کے بعد یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ:

"(اس جرم کے پیچھے) کسی عورت کو تلاش کرو، تو ہمیں بھی ہر سماجی جھگڑے اور اخلاقی کجی کے پیچھے یہ کہنا چاہئے کہ گھر کی چھان بین کرو۔"

ازدواجی زندگی میں خلل آنے سے جو مشکلات پیدا ہوتی ہیں وہ نہ صرف بے شمار ہیں بلکہ بڑے بڑے سماجی جرائم کا بھی سبب بنتی ہیں اور ازدواجی زندگی کا بگاڑ کسی خاص ماحول سے مخصوص نہیں، بلکہ پڑھے لکھے گھرانوں میں بھی ویسے ہی یہ مشکلات پیدا ہوتی ہیں جیسے ان پڑھ معاشرہ میں اور اسی طرح انتہائی مال دار گھرانوں میں بھی ویسے ہی ازدواجی سکون و اطمینان رخصت ہوجاتا ہے جیسے غریب اور عیال دار گھرانوں میں، متدین گھرانوں میں بھی عائلی جھگڑے ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے اخلاق باختہ خاندانوں میں، ان میں مغرب و مشرق کی بھی تقسیم نہیں اور نہ مہذب اور غیر مہذب ہی کی، یہ تو ہر زمانے کے انسانی معاشرہ کی کہانی ہے، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ مشکلات واضح طور پر ان معاشروں میں دیکھی جاسکتی ہیں جہاں دین اور اخلاق کمزور ہوچکے ہیں اور دین سے میری مراد وہ دین ہے جو انسان کے دل و جان میں اترا ہوا ہو نہ کہ وہ سطحی انداز کا دین جو صرف چند مظاہر اور علامتوں تک محدود ہو۔

اکثر ایسا دیکھا گیا ہے کہ بعض متدین حضرات اپنی بیویوں کے ساتھ بہت برا سلوک کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک دین خواہشات اور رجحانات کے لئے ایک ترازو کی حیثیت نہیں رکھتا تھا بلکہ اس کی حیثیت چند رسموں تک محدود تھی جو نہ روح کو بالیدگی دے سکتی تھیں اور نہ نفس ہی کو پاکیزگی عطا کرسکتی تھیں۔

وہ اسباب کہ جن سے عائلی مشکلات جنم لیتے ہیں، بے شمار ہیں لیکن ہم صرف ان اسباب کا احاطہ کریں گے جو بطور امر واقعہ ہر جگہ نظر آتے ہیں:

ایک سبب یہ ہے کہ شوہر یا بیوی کے انتخاب کے موقع پر جذبات یا مادی مصلحتوں کو پیش نظر رکھا جائے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شادی کی بنیاد جوانی کی جذباتی ترنگ ہوتی ہے جو شادی کے چند ماہ بعد اترنا شروع ہوجاتی ہے اور زوجین پر یہ انکشاف ہونے لگتا ہے کہ دونوں کے درمیان اخلاق، مزاج، کلچر اور ذاتی پسندیدگی میں زمین اور آسمان کا فرق ہے اور بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرد یا عورت کے حسن و جمال کی بنا پر وہ دونوں ایک دوسرے پر فریفتہ ہوجاتے ہیں، منگنی اور شادی کے مراحل طے ہوجاتے ہیں لیکن جلد ہی نوجوان پر عورت کی بداخلاقی اور کمینگی آشکار ہوجاتی ہے اور اسی طرح ایک نوجوان عورت مرد کی وجاہت اور خوبصورتی سے متاثر ہو کر اس کے جال میں پھنس جاتی ہے، لیکن پھر اس کی کرخت طبیعت اور بدطینتی کو دیکھ کر آٹھ آٹھ آنسو بہاتی ہے اور ایسی بھی شادیاں جو صرف مال و دولت کی طمع کی خاطر ہوتی ہیں اور ہماری نظر میں ایک صاحب ثروت یا ایک اونچی ملازمت یا آمدنی والا شادی کا پیغامبر اس نوجوان سے زیادہ قابل ترجیح ہوتا ہے، جس کے ہاتھ خالی ہوں یا وہ ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا ہو، اکثر بے پناہ دولت کے ساتھ بے پناہ فساد کا جوڑ ہوتا ہے اور ان میں سب سے بدترین صورت یہ ہے کہ ایک نوخیز لڑکی جو ابھی بیس کی حد کو چھو رہی ہے ایسے بوڑھے سے بیاہ دی جائے جو ساٹھ کے لپیٹے میں ہو لڑکی والے صرف اس شخص کی بے پناہ دولت یا وسیع و عریض اراضی کے لالچ میں ایسا اقدام کرتے ہیں، ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ انہوں نے لڑکی کے حق میں قتل سے بھی بھیانک جرم کا ارتکاب کیا ہے، وہ اس لئے کہ مقتول تو موت کی تلخی چند لمحے چکھنے کے بعد آرام پا جاتا ہے لیکن یہ بے چاری لڑکی تو بدبختی کی تلخیاں ہر آن اور ہر لحظہ چکھتی رہتی ہے، اللہ تعالیٰ نے تو شادی کو سکون و اطمینان کی خاطر جائز ٹھہرایا ہے تو یہ بے چاری ازدواجی زندگی کے آغاز ہی میں بجائے سکون و اطمینان کے موت کی سی خاموشی کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔

عائلی مشکلات میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ

زوجین ایک دوسرے کی طبیعت کو نہ سمجھ پائے ہوں، یہ عین ممکن ہے کہ شوہر تیز مزاج کا حامل ہو، اپنے ذوق کے خلاف معمولی سی چیز کو بھی برداشت نہ کر پاتا ہو، لیکن بیوی کو قطعاً اس کا ادراک نہ ہو تو پھر ایسا ہوتا ہے کہ وہ تو شدید غصے میں ہو اور یہ کھڑی ہنس رہی ہو، وہ اس سے بات کرنا چاہتا ہو اور یہ اس سے کترا رہی ہو، وہ غصے میں ایک بات کہے تو یہ اس کے جواب میں دس کہے، تو اب سوائے کالی آندھی کے آنے یا آتش فشاں کے پھٹنے کے اور کیا ہوگا اور یہ بھی ہوتا ہے کہ بیوی کو مثال کے طور سرخ رنگ کے کپڑے پسند ہیں، لیکن شوہر اسے سفید کپڑے پہننے پر مجبور کرتا ہے، وہ ہوسکتا ہے دودھ پسند کرتی ہو، لیکن میاں کو قطعاً دودھ بھاتا نہیں اور یوں وہ اسے اپنی پسند کو چھوڑ کر میاں کی پسند کو اختیار کرنے پر مجبور کر دے اور اسی طرح بیوی کی طبیعت منقبض ہونا شروع ہو جاتی ہے اور پھر یہ انقباض، اکتاہٹ میں بدلنا شروع ہو جاتا ہے اور یوں یہ اکتاہٹ کسی معمولی واقعہ پر جھگڑے کا سبب بن جاتی ہے۔

گھریلو نزاع کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ بیوی مرد کی اجتماعی اور سماجی ذمہ داریوں کا ادراک نہیں کر پاتی، عین ممکن ہے کہ شوہر ایک سیاستداں ہو جس کے فرائض میں بے شمار لوگوں سے ملنا جلنا ہے یا وہ ایک عالم یا استاد بھی ہوسکتا ہے کہ جس کا کام ہی لکھنا اور پڑھنا ہے اور بیوی دونوں صورتوں میں اکتاہٹ کا مظاہرہ کرے، سیاستداں کے اجتماعات میں میل جول سے اور عالم و استاد کی کتابوں اور لکھنے پڑھنے سے، بلکہ یوں بھی ہوتا ہے کہ شوہر اگر گھر میں داخل ہو اور اس کی بغل میں ایک نئی کتاب ہو تو وہ شدید بیزاری کا اظہار کرتی ہے۔ امام زہریؒ کی بیوی کا بھی یہی حال تھا جب انہیں کتابوں پر جھکے دیکھتیں تو چیخ اٹھتیں، اللہ کی قسم! یہ کتابیں تو مجھ پر تین سوکنوں سے بھی زیادہ بھاری ہیں، اگر بیوی کا یہ حق ہے کہ شوہر کے پاس اس کے لئے اتنا وقت ہو کہ جس میں وہ اس سے اپنے دلی تعلق کا اظہار کرے تو اسے یہ زیب نہیں دیتا کہ اس کے سماجی اور علمی مشاغل پر تیغ پا ہو اور جس کام پر اس کا ضمیر مطمئن ہو اس پر برہم ہو۔

باہمی اختلافات کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ شوہر گھر کے کاموں میں ضرورت سے زیادہ مداخلت کرے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بے کار شوہر باورچی خانہ میں بیوی کے سر پر کھڑا رہتا ہے اور پھر یوں ہدایات دیتا ہے: ہنڈیا میں پانی کیوں تھوڑا ڈالا ہے؟ نمک زیادہ کرو، آنچ ہلکی کرو، ہنڈیا میں ڈوئی ہلاؤ اور اس طرح بیوی اس کی لایعنی باتوں سے تنگ آجاتی ہے اور پھر ایک دن پھٹ پڑتی ہے، اگر شوہر کا یہ حق تسلیم شدہ ہے کہ وہ اپنی پسند کے کھانے کی فرمائش کرے تو اس کا قطعاً یہ حق نہیں بنتا کہ اپنے آپ کو داروغہ بنا کر بیوی کو روزانہ کھانے پکانے کے گر سکھاتا رہے۔

عائلی جھگڑوں کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ بیوی شوہر کے مالی حالات کا خیال نہ رکھے، وہ چاہتی ہے کہ وہی لباس پہنے جو اس کی سہیلی پہنتی ہے اور جس طرح فلاں فلاں کے گھر میں بے شمار فرنیچر اور سامان زینت ہے ویسا ہی اس کے گھر میں بھی ہو اور اسے اس بات کا خیال رہتا ہے کہ اس کے شوہر اور اس کی سہیلی کے شوہر کی مالی حیثیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے، پھر یہ کہ خواتین کے کپڑے خریدنے کا بہانہ ہمیشہ سے موجود رہتا ہے، اگر خاتون خانہ کے کسی عزیز یا عزیزہ کی شادی ہے تو اسے ہر صورت ایک نیا جوڑا سلوانا ہے، اگر فیشن بدل گیا ہے تو اس کے کپڑے بھی بدلنے چاہئیں اور یوں بے چارہ مرد اخراجات کے بوجھ تلے دبا چلا جاتا ہے اور پھر دو باتوں میں سے ایک ہو کر رہتی ہے یا تو وہ اپنی بیوی کے مطالبات کے سامنے سر جھکا کر قرض کا بار اٹھائے پھرے اور یا پھر لوگوں میں رکھ رکھاؤ کی خاطر اور اپنے بجٹ کی حدود میں رہنے کی بنا پر بیوی کے ساتھ جھگڑا مول لے۔

مجھے اس سے انکار نہیں کہ کچھ مرد حضرات باوجود استطاعت کے بیویوں پر خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں، میں ایسے لوگوں کے بارے میں مخاطب نہیں ہوں، وہ اس لئے کہ اسلام نے اس عورت کو جس کا خاوند باوجود استطاعت کے اس کے نان ونفقہ میں کوتاہی کرے، یہ حق دیا ہے کہ شوہر کے مال میں سے بغیر اس کی اجازت کے بقدر حاجت لے لے، جیسا کہ ابوسفیانؓ کی بیوی کے قصے سے معلوم ہوتا ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ شکایت لے کر آئیں کہ ابوسفیانؓ بڑے کنجوس ہیں، انہیں اتنا بھی نہیں دیتے جو ان کے اور ان کے بچوں کے لئے کافی ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اپنے شوہر کے مال میں سے اتنا لے لیا کرو جو عام طور پر تمہارے لئے اور تمہارے بچوں کے لئے کافی رہے۔"

خیال رہے کہ یہ حکم ان ضروری اخراجات کے بارے میں ہے جسے ایک شوہر اپنے بخل کی بنا پر ادا نہیں کر رہا ہے، لیکن اگر اس کا ہاتھ روکنا اس بنا پر ہے کہ عورت اسراف اور فضول خرچی کی حدوں کو چھو رہی ہے تو پھر بیوی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے گھر والوں کو فقر اور تنگدستی کا راستہ دکھلائے۔

گھریلو مشکلات کے اسباب میں سے ایک سبب بدظنی بھی ہے، یہ بھی ہوتا ہے کہ شوہر بیوی کی امانت داری کے بارے میں سوئے ظن کا شکار رہتا ہے سمجھتا ہے کہ اس کے سونے کے دوران بیوی اس کی جیبوں میں سے کچھ پیسے نکال لیتی ہے، کبھی اگر کچھ پیسے کم نکلے تو بغیر تحقیق کے جھٹ اپنی بیوی پر چوری کا الزام دھر دیتا ہے تو پھر گھر میں آفت آجاتی ہے، چیخ و پکار شروع ہو جاتی ہے اور پھر مرد کو خیال آتا ہے کہ گھر لوٹنے سے قبل اس نے کوئی چیز خریدی تھی یا کسی کا قرض ادا کیا تھا، کسی کو قرض دیا تھا، کسی بچے کو پیسے

دیئے تھے اور اکثر ایسا ہوتا رہتا ہے۔

مجھے اس سے انکار نہیں کہ بعض عورتیں ناحق ایسا کرتی ہیں، میں نے دین سے ناواقف ایک واعظ کو اپنے حلقہ درس میں عورتوں سے یہ کہتے سنا کہ جب عورت اپنے شوہر یا بیٹے کی جیب سے کچھ چرا لیتی ہے تو فرشتے خوشی سے مسکرا اٹھتے ہیں، یہ بات بالکل جھوٹ ہے، دین پر افترا ہے اور میاں بیوی کے درمیان جھگڑوں کو بڑھانے کا ایک سبب ہے۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شوہر بیوی کی عفت پر بدگمانی کرتا ہے کہ وہ بازار میں یوں چلتی ہے یا کھڑی آنے جانے والوں کو دیکھتی ہے اور اس طرح اس کی پاکیزگی اور شہرت کو داغدار کر دیتا ہے، حالانکہ وہ زبردست ہتھکنڈا ہے کہ وہ بعض جاہلوں کو غیرت کے نام پر اکساتا رہتا ہے ایسی ہی بدگمانی کی بنا پر کتنے ہی طلاق کے بلکہ قتل کے واقعات ہوتے ہیں، بعد از تحقیق وہ بے سند ثابت ہوتے ہیں۔

عائلی نزاعات میں ایک بہت بڑا سبب یہ ہے کہ میاں بیوی معمولی سی بات پر طیش میں آ جائیں، میں ایک ایسے شوہر کو جانتا ہوں کہ جس نے ایک کپڑا خریدا، اسے گھر لایا اور بیوی کو بتایا کہ اسے حفاظت سے رکھو کہ میں اس سے اپنا جوڑا بنواؤں گا، اگلے دن اس نے بیوی سے وہ کپڑا مانگا تو اس نے مذاق میں کہہ دیا کہ وہ تو اس نے اپنے لئے سی بھی لیا، یہ بات اس نے چھیڑنے کے لئے کہی تھی، اس نے قطعاً ایسا نہیں کیا تھا، اب کیا تھا مرد نے کہ جس کی ابھی تازہ تازہ شادی ہوئی تھی، بیوی کے نئے نئے جوڑے اٹھائے اور پانی بھرے تالاب میں پھینکنے شروع کر دیئے، اس پر مستزاد یہ کہ اس کی جرابوں کو قینچی سے کاٹنے دوڑا، بیوی حیران پریشان بھاگی بھاگی گئی اور وہ کپڑا لا کر اس کے سامنے ڈال دیا جو جوں کا توں تھا، بے وقوف شوہر بہت نادم ہوا، لیکن جب کہ وہ اپنا اور اپنی بیوی کا مال دریا برد کر چکا تھا۔

اس طرح کتنے ہی گھر تنگ ظرفی اور بد خلقی کا شکار ہو جاتے ہیں اور کتنے ہی گھر اس لئے ٹوٹ جاتے ہیں کہ احمق شوہر یا بیوی ایک معمولی سی بات کا جھگڑا بنا لیتے ہیں، چاہتے تو اس کا ایک اچھا مطلب بھی نکال سکتے تھے لیکن بد خلقی انہیں یہ احساس دلاتی رہی کہ تم تو آج خوب ذلیل ہوئے اور اس ذلت کا برداشت کرنا تو ناممکن ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ عورت کو شوہر کے مقابلے میں زیادہ جھیلنا پڑتا ہے کہ مرد اپنی طاقت، اپنے اختیارات اور اپنی بڑائی کے زعم میں مبتلا رہتا ہے، الا یہ کہ عورت زبان دراز ہو، بد خلق ہو اور پھر اپنی گز بھر زبان اور تند لہجے کی بنا پر مرد کو اپنی بردباری اور شرافت کا جامہ اتارنے پر مجبور کر دے اور پھر کیا خوب تماشا ہوگا، اگر بیوی مرد سے زیادہ جسمانی طور پر طاقت ور ہو یا زبان دراز ہو۔

یہ چند اسباب ہیں ہماری اجتماعی مشکلات کے جو میں نے سارے کے سارے بیان نہیں کئے، بلکہ چند ایسے اسباب ذکر نہیں بھی کئے جو ہمارے سب کے علم میں ہیں، جیسے ساس بہو کے جھگڑے، بیوی اور نندوں کی باہم پیکار کہ جو ان مشکلات کا اسی فیصد تو یقیناً ہوں گے، لیکن ہم اگر مندرجہ ذیل حقائق کا لحاظ رکھیں تو بڑی حکمت سے ان کا تدارک کر سکتے ہیں۔

اول: ہم اکثر ازدواجی رشتوں کو مادی پیمانے سے ناپتے ہیں، ہم سمجھتے ہیں کہ کامیاب شادی کا راز خوبصورتی، دولت اور جاہ و منصب میں پوشیدہ ہے، ان چیزوں کے ساتھ خوش بختی وابستہ ہو سکتی ہے، لیکن یہ صرف اپنی بنیاد پر خوش بختی عطا نہیں کر سکتے اور پھر یہ کہ تینوں چیزوں کو دوام حاصل نہیں، خوبصورتی ماند پڑ جاتی ہے، دولت تتر بتر ہو سکتی ہے اور جاہ و منصب چھوٹ سکتے ہیں اور جس چیز کی بنیاد ہی زوال اور تغیر پر ہو تو وہ خود زوال پذیر کیوں نہ ہوگی، اس لئے بہتر یہی ہے کہ ہم ازدواجی زندگی کو ایک معنوی اور روحانی پیمانے سے ناپیں یعنی ہم شوہر یا بیوی کے انتخاب کے وقت اس چیز کو بنیاد بنائیں جو ان دونوں میں باقی رہنے والی ہو نہ کہ قابل تبدیلی ہو، جو زمانہ کے ساتھ ساتھ تقویت پذیر ہو نہ کہ زوال پذیر، یہ چیز سوائے دین و اخلاق کے اور کیا ہو سکتی ہے، ایسا شخص جو عقیدہ، تربیت اور اپنے دلی اطمینان کی بنا پر دین دار ہو تو وہ گھر میں چاہے شوہر ہو یا بیوی، محبت اور سلامتی کا گہوارہ بن کر رہے گا، وہ شخص جو حسن اخلاق کا مرقع ہو، چاہے ماں ہو یا باپ، گھر میں اس شجرہ سایہ دار کی طرح ہوگا کہ جس سے سارا خاندان بہترین پھل چنتا نظر آئے گا اور وہ پھل کیا ہیں؟ نیک اولاد اور صالح اعمال۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے خوش بختی سے بھرپور ازدواجی زندگی کی اصل بنیادوں کو یہ کہہ کر واشگاف کر دیا ہے: عورتوں سے صرف ان کی خوبصورتی کی بنا پر شادی نہ کرو کہ حسن بعض دفعہ انہیں ہلاک کر دیتا ہے، انہیں ان کے مال و دولت کی بنا پر اپنا شریک حیات نہ بناؤ کہ مال سرکشی پر آمادہ کر دیتا ہے، لیکن ہاں! ان سے دین کی بنیاد پر شادی کرو۔ (ابن ماجہ)

اور یہ بھی ارشاد فرمایا:

”اگر تمہارے پاس ایسا شخص رشتہ لے کر آئے جس کا دین اور اخلاق تمہیں پسند ہو تو پھر اپنے گھر کی بچی کیلئے اس کا رشتہ منظور کر لو اور اگر تم ایسا نہ کرو گے تو پھر فتنہ برپا ہوگا اور بڑا فساد ہوگا۔“ (ترمذی)

اور بروایت دیلمی:

”جب برابر کا رشتہ آئے تو ان سے شادی کر دو۔“ (فردوس الدیلمی)

دوم: ہم اس دین کے حامل ہیں جو ہمیں خوش اخلاقی کا درس دیتا ہے، اس لئے ہمیں اپنے اہل و عیال سے حد درجہ اچھے اخلاق سے پیش آنا چاہئے، اللہ تعالیٰ مردوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى أَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا۔" (النساء:۱۹)

ترجمہ:"اور ان کے ساتھ بھلائی کے ساتھ رہو اور اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ تم کسی کو ناپسند کرو اور اسی میں اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بہت سارا خیر رکھ دیتا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے لئے اچھا ہو۔" (ابن ماجہ)

مجھے اس شخص سے گھن آتی ہے جو لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی اور چکنی چپڑی باتوں کے ساتھ پیش آتا ہے لیکن جوں ہی گھر آتا ہے تو اپنی بیوی سے ترش روئی اور تلخی سے بات کرتا ہے اور ایسے ہی اس عورت سے بھی جو ملاقاتی خواتین سے تو ہنس ہنس کر بات کرتی ہے، ان کے لئے خوب بن ٹھن کر جاتی ہے، لیکن اپنے شوہر کو دیکھتے ہی پینترا بدل لیتی ہے اور اپنی بدخلقی سے اس کا جینا حرام کر دیتی ہے، یاد رکھئے کہ اگر ایک بُری بات طوفان برپا کرسکتی ہے تو ایک اچھی بات دلوں کو قریب لانے کا بھی باعث ہوسکتی ہے۔

سوم: ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ زوجین میں ایک دوسرے کا خیال رکھنے کا جذبہ انتہائی ضروری ہے، شادی کی بنیاد پر زوجین کا مستقبل زندگی کے آخر تک ایک دوسرے سے جڑا ہوا ہوتا ہے، اگر ایک کو تنگ دستی، عسرت یا ذلت کا سابقہ ہو تو دوسرا بھی اس سے متاثر ہوتا ہے اور اگر شوہر صرف اپنے میں مگن رہے اور عورت اپنے میں، تو انہوں نے اس مقدس رابطے کا قطعاً کوئی خیال نہیں رکھا، بلکہ ایک دوسرے کو صرف شراکت دار کی سی حیثیت دی جو عام طور پر دوسرے کا نقصان اور اپنا نفع چاہتے ہیں، اس سے بڑھ کر اور کیا بدبختی ہوسکتی ہے، ہمارے اسلاف کا تو یہ دستور تھا کہ جب مرد گھر سے کام کے لئے نکلتا تو بیوی یا بچی اس سے یہ کہتی کہ:"حرام نہ کمانا ہم بھوک اور فاقہ تو سہہ سکتے ہیں لیکن آگ نہیں سہہ سکتے۔"

امام بخاریؒ نے حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی یہ حکایت درج کی ہے، وہ کہتی ہیں: زبیرؓ نے جب مجھ سے شادی کی تو اس کے پاس سوائے ایک گھوڑے اور ایک اونٹ کے کچھ نہ تھا تو میں گھوڑے کو چارہ ڈالتی، اس کی دیکھ بھال کرتی، اونٹ کے لئے کھجور کی گٹھلیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرتی، کنویں میں ڈول ڈال کر پانی کھینچتی، ڈول کو ٹھیک ٹھاک کرتی، آٹا گوندھتی، میں دو تہائی فرسخ یعنی ایک گھنٹے کی مسافت سے اپنے سر پر گٹھلیوں کا ٹوکرا اٹھا کر لاتی، یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ نے میرے لئے ایک خادم کا انتظام کردیا، جس نے گھوڑے کی دیکھ بھال کا انتظام سنبھال لیا اور مجھے ایسا محسوس ہوا گویا کسی نے مجھے آزاد کردیا ہو۔

سلف صالحین کی خواتین اپنے شوہروں کو جہاد پر جانے کے لئے ابھارتی تھیں اور اپنے ساتھ اپنے بچوں کو بھی جنگی معرکوں میں لے جاتی تھیں اس طرح ان کے شوہر اور بیٹے اپنے فرض کی ادائیگی میں انہیں بڑا سہارا محسوس کرتے تھے۔

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی:

"من ذالذی یقرض اللہ قرضاً حسناً فیضاعفہ لہ"

ترجمہ:"اور کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے تو اللہ اسے دوگنا چوگنا کردے۔"

تو ابوالدحداح انصاریؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا اللہ ہم سے یہ چاہتا ہے کہ ہم اسے قرض دیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ہاں! اے ابوالدحداح! تو وہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول! اپنا ہاتھ دکھائیں، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا ہاتھ پکڑا دیا، تو وہ بول اٹھتے ہیں: اے اللہ کے رسول! آپ گواہ رہیں، میں نے اپنے رب کو اپنا باغ قرض دے دیا، اس کے اندر ان کی بیوی ام الدحداح اور بچے رہتے تھی، پھر وہ باغ تک آئے اور اپنی بیوی کو آواز دے کر کہا: اے ام الدحداح! انہوں نے کہا: لبیک، کہا تم اور بچے باغ سے نکل آؤ کہ میں نے اس باغ کو اللہ کے ہاتھ قرض دے دیا ہے، اب ان کی بیوی نہ چلائیں، نہ اول فول بکی، نہ انہیں فہمائش کی، لیکن ان الفاظ کے ساتھ انہیں بشارت دی، اے ابوالدحداح! تمہارا یہ سودا سودمند ہوا اور پھر اپنے بچے اور سامان لے کر نکل آئیں اور ایسے ہی زوجین خوش بختی کی زندگی گزارتے ہیں جب ان میں سے ہر ایک دوسرے کی زندگی گزارنے اور فرائض کے ادا کرنے پر مددگار ہوتا ہے۔

اور آخری بات جو ہر میاں اور بیوی کو یاد رکھنی چاہئے کہ ہماری جان، صحت اور خوش بختی اتنی قیمتی ہے کہ اسے جھگڑوں اور لڑائیوں میں نہیں ضائع کرنا چاہئے اور یہ بھی کہ ہم میں سے کوئی گھر میں آگ بگولہ ہوتے وقت جو اپنی صحت، اپنا وقت، اپنا راحت و آرام اور اپنی اعصابی طاقت برباد کرتا ہے، وہ اس مال سے کہیں زیادہ قیمتی ہے، جس کی خاطر یہ سارا غصہ کیا اور اس شہرت و عزت سے بھی جس کی خاطر یہ سارا طوفان برپا کیا یا اس کوتاہی سے بھی جس کو وہ دور کرنا چاہتا ہے اور خاص طور پر جب کہ گھر میں چھوٹے بچے بھی ہوں جو اپنے ماں باپ کی ایک ایک حرکت سے متاثر ہوتے ہیں اور پھر اخلاق کے اعتبار سے بھی ان کی اٹھان ویسے ہی ہوتی ہے جیسے ان کے ماں باپ کی۔

خوش بختی ہی کل زندگی ہے، اس کے اسباب بازاروں، گلیوں، مدرسوں اور کلبوں میں تلاش کرنے سے قبل اپنے آپ میں اور اپنے گھروں میں تلاش کرو اور اسی میں خیر ہے۔☆☆☆

مخدوم العلماء والصلحاء پیر طریقت، عارف باللہ

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ڈاکٹر خالد محمود سومرو

بہت سارے لوگ دنیا میں پیدا ہوتے ہیں اور چلے جاتے ہیں، ان کا نام تک نہیں رہتا، مگر کچھ ایسے بھی اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے اس دنیا میں تشریف لاتے ہیں، جو عوام الناس اور خواص الناس کے دلوں پر حکومت کر کے تشریف لے جاتے ہیں، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بھی محبوب ہوتے ہیں اور اللہ کے بندوں کے بھی محبوب ہوتے ہیں، ان کا دائرہ کار چونکہ لوگوں کے عقائد کی اصلاح، عوام کی صلاح وفلاح، دعوت الی اللہ، احقاق حق اور ابطال باطل ہوتا ہے، چونکہ یہ مقصد عالمگیر اور ہمہ جہت ہے، اس لئے ان کا اثر بھی عالمگیر اور ہمہ جہت ہوتا ہے اور ایسی شخصیات بھی عالمگیر اور ہمہ جہت ہوتی ہیں، اسی لئے فرمایا گیا کہ: ”موت العالِم موت العَالَم“ یعنی ایک عالم کی موت پورے جہان کی موت ہوتا ہے گویا کہ جب ایک عالم، کامل یہ جہان چھوڑتا ہے تو اس کی وجہ سے پورا جہان یتیم ہو جاتا ہے۔

عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ اللہ کو پیارے ہوگئے، حضرت کا انتقال ہو گیا، گویا کہ عالِم نے عالَم کو یتیم کر دیا، حضرت والاؒ کو اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑا مقام عطا فرمایا تھا، ان کے ذریعے سے رشد وہدایت کا ایک طویل سلسلہ قائم تھا، آپؒ اکابر کی یادگار تھے، ان کی وفات سے امت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے، آپ امت کے لئے باران رحمت سے کم نہ تھے۔

جس طرح ایک نبی انسانوں کے قلوب کو فتح کرتا ہے اور پھر ان دلوں میں اللہ کی عظمت بسا دیتا ہے، اسی طرح ایک ولی بھی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انسانوں کے قلوب کو مسخر کرتا ہے اور ان دلوں میں اللہ کی محبت کو بھر دیتا ہے، میں تو ایک طالب علم ہوں، میں حضرت کے مقام کا کیا تعین کر سکتا ہوں، ایک عالم، ایک فاضل، ایک ولی اللہ، ایک رہبر و راہنما، ایک پیر طریقت، ایک مرشد کامل، ایک عارف باللہ اور ایک داعی الی اللہ کی حیثیت سے ان کے مقام کا تعین علماء کرام، اولیاء اللہ اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہی کر سکتے ہیں، ان کے عقیدت مندوں کی تعداد بے شمار ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مجھے کچھ وقت حضرت والاؒ کی خدمت میں گزارنے کا موقع ملا، اس پر میں اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کروں وہ کم ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ حضرت والاؒ کا وجود ایک گھنے سایہ دار درخت کی مانند تھا، جس کے سائے تلے بہت سارے لوگوں نے اپنا تھوڑا یا زیادہ وقت بڑے آرام اور اطمینان کے ساتھ گزارا، آپ کی خانقاہ میں ذکر فکر کی مجالس، علمی اور روحانی بیانات اور شریعت اور طریقت کے اسباق جس طرح پڑھائے جاتے تھے اس سے قرون اولیٰ کے بزرگوں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی، پتھر دل موم بن جاتے تھے، ان کے بیانات، ملفوظات اور ارشادات کو سامنے رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کاتب تقدیر نے ان کی ذات کو انسانوں کی ہدایت کے لئے خصوصی طور پر منتخب کیا تھا، سیّد کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

”دنیا سے علم یوں اٹھایا جائے گا کہ اہل علم دنیا سے اٹھالئے جائیں گے۔“

یہ قرب قیامت کی علامت ہے کہ علماء کرام، مشائخ عظام اور اہل اللہ رحلت فرمانے لگیں۔ حضرت والاؒ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ صدیوں میں بھی پر نہیں ہو سکے گا، آپ کی رحلت سے صرف آپ کے متعلقین، مریدین اور عقیدت مند ہی یتیم نہیں ہوئے، بلکہ پوری امت یتیم ہو گئی ہے، ایسے لوگ روز روز پیدا نہیں ہوتے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پے روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت والاؒ توحید وسنت کے عظیم علمبردار تھے اور شرک وبدعات کی بیخ کنی کے لئے تیغ بے نیام تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات میں عاجزی، انکساری، تواضع، علم، بردباری، تقویٰ، طہارت، اخلاص اور للّٰہیت کی صفات کو کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا، آپ کی خانقاہ پر انواع واقسام کے غمگین اور دکھی لوگ حاضر ہوتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اپنی قلبی تشنگی کو مقدور بھر سیرابی اور سیر چشمی سے ہمکنار ہو کر شاداں وفرحاں واپس جایا کرتے تھے، کئی لوگ بے بسی اور بے کسی کے پہاڑ لے کر، بے قرار اور بے چین روحوں اور اسفار کی صعوبتوں سے نڈھال ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور بڑا سکون اور بڑا چین لے کر واپس ہوتے تھے، آپ کی خدمت

میں بہت سارے لوگ ٹوٹے ہوئے دلوں کے ساتھ حاضر ہوتے تھے اور آپ بڑی محبت سے ان کے دلوں میں جوڑ لگایا کرتے تھے، آپ روحانی بیماریوں کے علاج کے ماہر ڈاکٹر اور اسپیشلسٹ تھے، آپ ایک عالم باعمل، ایک صوفی باصفا، ایک محبت بھرے انسان، اللہ اور اللہ کے رسول کے عاشق صادق، قرآن اور سنت کی پاکیزہ تعلیمات کے عظیم مبلغ اور اپنے دور کے بہت بڑے داعی الی اللہ تھے، ان کی وفات سے پورا چمن اداس نظر آرہا ہے:

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اِک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

آپ کی وفات کی وجہ سے دل حزین ہے، قلب غمگین ہے، جگر شق ہونے کو ہے، آنکھوں سے آنسو رواں ہیں، اس لئے کہ برصغیر ایک ایسی عظیم ہستی سے محروم ہوگیا ہے، جس کا وجود امت مسلمہ کے لئے اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا عطیہ تھا، بلاشبہ حضرت والاؒ عالم اسلام کی ایک نابغہ روزگار شخصیت تھے، وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، جانے والے تو چلے جاتے ہیں، لیکن نقصان ان کا ہوتا ہے جو باقی رہ جاتے ہیں، حضرت والاؒ جیسی نفوس قدسیہ کو اللہ تعالیٰ نے تمام فتنوں کو روکنے والا دروازہ بنایا ہوتا ہے، جب یہ لوگ تشریف لے جاتے ہیں تو گویا وہ دروازہ ٹوٹ جاتا ہے اور نئے نئے فتنے سر اٹھانے لگتے ہیں، جس سے ہم جیسے کمزور لوگ پریشان ہوجاتے ہیں اور پھر کوئی ایسا بندہ بھی نظر نہیں آتا جو مستجاب الدعوات ہو کہ چلو اپنے اعمال کے ذریعے نہ سہی بزرگوں کی دعاؤں سے باطل پر غلبہ حاصل کرلیں، جب اللہ والے اٹھ جاتے ہیں تو صورت حال کچھ یوں ہوجاتی ہے:

شوریدگی کے ہاتھ سے سر ہے وبال دوش
صحرا میں اے خدا کوئی دیوار ہی نہیں

جب ہم حضرت کی خدمت میں آتے تھے ان کے ملفوظات سنتے تھے تو بڑے بڑے حقائق منکشف ہوجاتے تھے، حضرت والاؒ کی زندگی "امراض باطنہ" کے علاج میں گزری، حضرت کی خانقاہ سے بہت سارے بیمار شفایاب ہوئے، ان کے بیانات کا خلاصہ یہ ہوتا تھا کہ انسان صرف ظاہری ڈھانچے کا نام نہیں بلکہ اس کا اصل جوہر اس کا باطن ہے، جس کو قلب اور روح کے الفاظ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، ایک حدیث مبارکہ میں بھی یہ بتلایا گیا ہے کہ انسان کے ظاہری اعمال کی صحت و فساد اور بناؤ بگاڑ بھی اس کے باطن کے بناؤ اور بگاڑ پر موقوف ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح ظاہری بدن کبھی تندرست ہوتا ہے اور کبھی بیمار ہوتا ہے اور تندرستی قائم رکھنے کے لئے غذا وغیرہ سے تدبیر کی جاتی ہے اور بیماریاں کو دفع کرنے کے لئے دواؤں سے علاج کیا جاتا ہے، بالکل اسی طرح انسان کے باطن کی تندرستی کی تدبیر اپنے خالق اور مالک کو پہچاننا، اس کا ذکر اور شکر کرنا اور اس کے احکام کی ہمہ وقت اطاعت کرنا ہے اور اس کی بیماری اللہ کی یاد سے غفلت اور اس کے احکام کی خلاف ورزی ہے، یہ دل کی بیماریاں کفر، شرک، نفاق، حسد، کینہ، تکبر، نخوت، حرص، بخل، حب جاہ اور حب مال وغیرہ ہیں اور تندرستی یہ ہے کہ اپنے مالک حقیقی کو پہچانے، تمام نفع و نقصان، تکلیف اور راحت کا مالک اس کو سمجھے، اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرے، کوئی تکلیف پیش آئے تو صبر سے کام لے، تمام معاملات میں اللہ پر بھروسہ کرے، اس کی رحمت میں امید رکھے، اس کے عذاب سے ڈرتا رہے، اس کی رضا جوئی کی فکر کرے اور انتہائی سچائی، ایمان داری اور اخلاص کے ساتھ اس کے تمام احکام بجالائے۔

قرآن مقدس میں ارشاد ربانی ہے کہ:

"وننزل من القرآن ما هو شفاء و رحمة للمؤمنين" (بنی اسرائیل:۸۲)

ترجمہ: "ہم نازل کرتے ہیں قرآن سے وہ چیز جو شفاء اور رحمت ہے مومنین کے لئے۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"قل هو للذين آمنوا هدى وشفاء" (حٰم سجدہ:۴۴)

ترجمہ: "آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ یہ قرآن ایمان والوں کے لئے ہدایت ہے اور شفاء"

لیکن باطنی بیماریوں اور ان کے علاج میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ ظاہری بیماریاں تو آنکھوں اور دوسرے حواس سے محسوس کی جاسکتی ہیں، نبض کی حرکت، خون اور فضلات کا امتحان کرکے معلوم کی جاسکتی ہیں، ان کے معالجات بھی مخصوص آلات اور دواؤں سے کئے جاتے ہیں، باطنی امراض نہ آنکھوں سے دکھائی دیتے ہیں نہ نبض وغیرہ سے ان کو پہچانا جاسکتا ہے، اسی طرح ان کا علاج بھی محسوس غذاؤں اور دواؤں سے نہیں ہوتا، ان امراض کی تشخیص اور علاج کی تجویز صرف قرآن و سنت کے بتلائے ہوئے اصولوں ہی سے ہوسکتی ہے۔

قرآن و سنت میں انسان کے ظاہری اعمال اور معاملات اور باطنی عقائد اور اخلاق سب ہی کی اصلاح کا مکمل نظام موجود ہے، امت میں صحابہ کرامؓ اور حضرات تابعین سے لے کر موجودہ زمانے کے صالحین کاملین تک جس کو جو کچھ کمال حاصل ہوا ہے وہ صرف اسی نظام عمل کی مکمل پابندی سے ہوا ہے، وہ جس طرح نماز، روزے، حج، زکوٰۃ کے پابند تھے، اسی طرح صدق، اخلاص، توحید، تواضع، صبر، شکر، توکل، زہد وغیرہ باطنی اعمال میں بھی ویسا ہی کمال رکھتے تھے، وہ جس طرح جھوٹ، فریب، چوری، بے حیائی وغیرہ گناہوں سے ڈرتے اور بچتے تھے، ٹھیک اسی طرح کبر و نخوت، دوسروں کی تحقیر و توہین، حب جاہ، حب مال، حرص، بخل،

بغض وکینہ وغیرہ باطنی گناہوں کو بھی ایسا ہی حرام جانتے تھے اور ان سے پرہیز کا اہتمام کرتے تھے۔

علماء امت نے عوام کی سہولت کے لئے قرآن وسنت کے اس پورے نظام کو چند علوم وفنون میں الگ الگ جمع کرکے مدون کردیا، ظاہری اعمال نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور نکاح وطلاق اور اس قسم کے دیگر تمام معاملات کو علم فقہ میں اور اعمال باطنہ میں سے عقائد کو علم عقائد میں اور اخلاق اور معاشرت کو علم تصوف میں جمع کردیا، مگر ایک طویل زمانے سے عام مسلمانوں کی اکثریت اپنی غفلت کے نتیجہ میں علوم دینیہ سے ''بے بہرہ'' ہوتی چلی جارہی ہے، خاص طور پر آخرالذکر علم جس کا تعلق اصلاح باطن سے ہے وہ تو ایسا متروک ہوچکا ہے کہ عوام تو عوام خواص یعنی علماء کی بھی ایک بہت بڑی تعداد اس سے لاتعلق ہوکر رہ گئی ہے، جس کی وجہ سے بہت بڑی خرابیاں پیدا ہوچکی ہیں، شاید لوگوں نے صرف اعمال ظاہرہ کو ہی کامل اور مکمل دین سمجھ لیا، صدق واخلاص، توحید وتوکل، صبر وشکر، تقویٰ وپرہیزگاری کے الفاظ صرف زبانوں پر ہی رہ گئے، حب جاہ، حب مال، کبر ونخوت، غیظ وغضب، کینہ وحسد جیسے مہلک امراض سے نجات حاصل کرنے کی فکر بھی دلوں سے محو ہوکر رہ گئی۔

آج ہمارا حال یہ ہے کہ اپنے ظاہر کو تو ہم نے کچھ نہ کچھ شریعت کے مطابق بنا دیا ہے، ظاہری اعمال کی بھی ہم کچھ نہ کچھ پابندی کر ہی لیتے ہیں تاکہ لوگوں کی نظروں سے گر نہ جائیں، ایسے گناہوں سے بھی کسی نہ کسی حد تک ہم اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں جو گناہ عوام کی نظر میں علم اور علماء کے منصب کے خلاف سمجھے جاتے ہیں، لیکن باطنی گناہوں سے جو ظاہری گناہوں سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں، اپنے آپ کو بچانے کی کوئی فکر نہیں کرتے اور اس حوالے سے ہمارا حال انتہائی قابل تشویش ہے۔

یہاں پر ہم سب کو اپنے نفس سے ایک سوال کرنا چاہئے کہ نماز، روزے کا اہتمام اور چوری، بدمعاشی، عیاشی، سود خوری، رقص وسرود اور کھیل تماشوں کی محفلوں سے اجتناب اگر واقعی خوف خدا کے نتیجہ میں ہے تو پھر کیا سبب ہے کہ ہم لوگوں سے چھپ چھپا کر ایسے گناہ کیا کرتے ہیں جن سے شیطان بھی شرما جاتا ہے، ان مواقع پر خوف خدا اور فکر آخرت ہمارے سامنے کیوں نہیں آتے؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ ہمارا ظاہری تقویٰ صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے ہم نے اختیار کیا ہوا ہے، اس لئے ہم صرف ان گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں، جن کی وجہ سے ہم سے ہماری امامت اور خطابت پر حرف نہ آئے اور باقی جن باطنی گناہوں پر جبہ ودستار کا پردہ ڈالا جاسکتا ہے، ان کو ہم نے شیر مادر سمجھ کر اختیار کیا ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج ہماری تقریروں میں، خطابوں میں اور بیانات میں کوئی اثر نہیں، اللہ والوں کی خانقاہوں میں ان باطنی بیماریوں کا علاج کیا جاتا ہے اور اللہ والوں کی صحبت کی وجہ سے دلوں میں خشیت الٰہی، تقویٰ وپرہیزگاری اور اخلاص اور سچائی پیدا ہوجاتی ہے۔

حضرت والاؒ اللہ تعالیٰ کے ذاکر بندوں میں سے تھے، وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کرتے تھے، قرآن کریم میں بھی ان لوگوں کو عقلمند کہا گیا ہے جو کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کی چیزوں میں فکر کرتے ہیں اور بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں کہ: اے پروردگار! یہ سب آپ نے بے کار پیدا نہیں کیا بلکہ ایک مقصد کے لئے دنیا کو امتحان گاہ بنایا ہے اصل تو آخرت ہے، تو آپ ہمیں آگ کے عذاب سے بچا دیجئے۔

ایک عقل معاد ہے یعنی وہ عقل جو آخرت کے لئے استعمال ہو اور دوسری عقل معاش ہے یعنی وہ عقل جو دنیا کے لئے کمائی کے نت نئے طریقوں کے لئے استعمال ہو، لوگ عام طور پر عقل معاش والے کو عقلمند سمجھتے ہیں، حالانکہ اصل تو عقل معاد ہے جو آخرت بنانے کے لئے استعمال ہوتی ہے، عقل معاش تو کافروں کو بھی خوب ہے۔

جسے ذکر مل گیا اسے ولایت الٰہی اور محبت الٰہی کا دستور مل گیا، آدمی اگر ذاکر نہیں تو غافل ہے اور غافل سے شیطان اس طرح کھیلتا ہے جس طرح کھلاڑی گیند سے کھیلتا ہے، ذکر کی برکت سے غفلت نکل جاتی ہے اور آدمی کو فضول کاموں سے نفرت ہوجاتی ہے، ذکر کرتے کرتے ذکر جاری ہوجاتا ہے اور ذکر کا ایسا مزاج بن جاتا ہے کہ آدمی ذکر کو چھوڑنا بھی چاہے تو چھوڑ نہیں سکتا، ذکر اس کی طبیعت بن جاتا ہے، ذکر اس کی زندگی بن جاتی ہے، ذکر اس کی خوراک بن جاتی ہے، ذاکر بندہ ذکر کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

حضرت والاؒ کی خانقاہ میں ذکر الٰہی کی ضربیں لگتی تھیں، اللہ والوں کی صحبت سے مردہ دل زندہ ہوتے ہیں، بیمار دل تندرست ہوجاتے ہیں اور غافل دل غفلت سے نکل آتے ہیں، اللہ والوں کی صحبت سے نیکیوں سے محبت اور گناہوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے، شیطان ہر ایک سے ایک جیسے گناہ نہیں کرواتا بلکہ شیطان ہر شخص سے اس کے لحاظ اور حیثیت سے گناہ کرواتا ہے مثلاً: وہ علماء اور دین داروں کو حسد، بغض، کینہ، غیبت، حب جاہ اور حب مال کی بیماریوں میں مبتلا کرتا ہے، عورتوں کو فیشن اور بے پردگی کی بیماریوں میں مبتلا کردیتا ہے، طلبا کو ذہنی انتشار میں گرفتار کردیتا ہے اور فکر معاش ان پر مسلط کردیتا ہے کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد تو اپنا پیٹ کس طرح پالے گا، اللہ والوں کی صحبت میں ذکر کی برکت سے ان بیماریوں میں مبتلا لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے صحتیاب

ہوجاتے ہیں، ان کو اللہ پر اعتماد ہوجاتا ہے وہ احساس کمتری سے باہر نکل آتے ہیں، ان کو ایمان کی حلاوت اور اسلام کی لذت محسوس ہونے لگتی ہے، جس طرح میلے کچیلے سیپ میں چھپے ہوئے موتی کو اپنی قیمت معلوم نہیں ہوتی اس طرح عام طور پر ایک کلمہ پڑھنے والوں کو بھی اپنی قدر و قیمت کا حقیقی اندازہ نہیں ہوتا، لیکن اللہ والوں کی صحبت میں اس پر حقیقت کھل جاتی ہے، آج کل ہمارے اکثر علماء وطلبا کو فنون تو بہت آتے ہیں، لیکن وہ ان فنون سے علم کی عمارت کو نہیں بنا پاتے، علم کی عمارت تزکیہ قلب کے بغیر بن ہی نہیں سکتی، ہزار اینٹوں کا جمع کر دینا الگ بات ہے، لیکن ان اینٹوں سے عمارت تعمیر کرنا الگ بات ہے، اللہ والوں کی صحبت سے یہ گُر حاصل ہوجاتا ہے، اللہ والوں کے بیانات سے مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کی زندگیاں بھی تبدیل ہوجاتی ہیں، بہت ساری مغرب زدہ خواتین اللہ والوں کے بیانات سننے کے نتیجہ میں صالحہ بن جاتی ہیں، ان میں عفت اور پاکدامنی، حسن اخلاق، نماز کی پابندی، قرآن وسنت کے احکامات کی پاسداری اور تقویٰ اور پرہیزگاری پیدا ہوجاتی ہے، حضرت والاؒ کے ایمان افروز بیانات کے نتیجے میں بے شمار لوگوں کو ہدایت ملی۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ پاک اپنے اس محبوب بندے کے درجات بلند فرمائے، ان کی خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے، ان کی قبر کو جنت کا باغ بنائے، ان کے جانشینوں کو جانشینی کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مجھ سمیت حضرت والاؒ کے تمام عقیدت مندوں کو صبر جمیل کے ساتھ ساتھ صحیح معنوں میں متبع سنت بنائے اور زندگی بھر قرآن اور سنت کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

☆☆............☆☆

ہمارے دلوں پر کرم کی نظر کر

سوئے آسماں ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں ندامت سے سر جھکائے ہوئے ہیں
نگاہِ کرم کے طلب گار ہیں ہم گرچہ بُرے ہیں، گناہ گار ہیں ہم
دوائے دل مضطرب دینے والے بھلے اور بُروں کی خبر لینے والے
زمانہ کی گردش سے مجبور ہیں ہم پریشاں ہیں فکروں سے رنجور ہیں ہم
خیالات مایوس کن آرہے ہیں بہت گرچہ ہم دل کو سمجھا رہے ہیں
بہت مدتوں سے مسلط خزاں ہے نہ مرجھائے کیونکر کہ دل ناتواں ہے
گھٹا آئے ابر گہر بار بن کر خوشی اور مسرت کے آثار بن کر
تجھی سے ہے فریاد اے رب اکبر ہمارے دلوں پر کرم کی نظر کر
کوئی آفت آئے تو ہشیار کردے مصیبت سے پہلے خبردار کردے
بنا دل کو علم اور حکمت کا مرکز کہ روشن ہو جس سے سراپا مرا دل
زباں پر ہو ہر دم ترا ذکر جاری رہے ذکر سے بس زباں تر ہماری
تمنا مجھے بس ترے دید کی ہو خوشی جیسی لوگوں کو یاں عید کی ہو
دم واپسیں ترا کلمہ ہو جاری زباں ایک لحظہ نہ بند ہو ہماری
اسی ذوق اور شوق میں جان نکلے مرا آخری یہ بھی ارمان نکلے
تمنا ہے تسنیم اے رب اکبر
کہ دونوں جہاں میں ہو انجام بہتر

سیدہ امۃ اللہ تسنیمؔ

مساجد کا کردار!

انتخاب: ابوعمیرہ خان

عبادت ایک وسیع اور جامع اصطلاح ہے، جس کے معنی اللہ کی غیر مشروط اطاعت اور غلامی کے ہیں۔ عبادت کے اس تصور نے جائے عبادت یعنی مسجد کو وہی جامعیت عطا کردی ہے۔ اسلامی معاشرہ میں مساجد کی اہمیت صرف اس قدر نہیں ہے جس قدر دوسری قوموں میں ان کے معابد کی ہے، بلکہ ان کا پورے اسلامی نظام حیات سے گہرا اور اٹوٹ رشتہ ہے، وہ مذہب اسلام کا شعار ہی نہیں ہیں بلکہ اسلامی تہذیب وثقافت اور اسلامی تمدن کی نقیب بھی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی معاشرہ میں مساجد کا مقام ٹھیک وہی ہے جو مقام نظام جسم میں شہ رگ کو حاصل ہے، مساجد کی اس اہمیت نے مسلمانوں کے دلوں میں عزت واحترام اور وابستگی کا جو جذبہ پیدا کردیا ہے، اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ شاہجہاں اپنے لال قلعہ کے سامنے ایک عالی شان جامع مسجد تعمیر کرتا ہے اور تعظیم مسجد کے جذبہ سے اس کے زینوں کو اپنے سر کے تاج کی سطح کے برابر تک تعمیر کراتا ہے۔

پہلا انسان، پہلا نبی، پہلا معمار مسجد:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ زمین کی پہلی مسجد کون سی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ”المسجد الحرام“ یعنی خانہ کعبہ۔

قرآن نے مسجد حرام کی قدامت بیان کرتے ہوئے اس کی شان افادیت اور اہمیت کی طرف ”مبارکا وھدی“ جیسے دو الفاظ میں بڑی بلاغت سے اشارہ کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسجد ایک طرف انسانی ہدایت کا سرچشمہ ہے اور دوسری طرف رحمت وبرکت اور حقیقی سعادت کا ذریعہ ہے یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پاک نفوس اصحابؓ کی پوری زندگی اس جدوجہد میں گزری کہ خانہ کعبہ کو اصنام پرستی کی نجاست سے پاک کرکے دوبارہ ہدایت وسعادت کے لئے واگزار کیا جائے، چنانچہ جیسے ہی مکہ فتح ہوا مسلمانوں نے پہلا کام یہ کیا کہ اللہ کے اس گھر کو بتوں سے نجات دلائی اور.... ”میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام ورکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھو“ (الحج) کا مدعا پورا کردیا۔

خانہ کعبہ کی اس قدامت نے روئے زمین کی تمام مساجد کو اسی قدامت سے منطقی طور پر مربوط کردیا ہے، خواہ وہ زمان ومکان کے کسی بھی حصہ میں تعمیر کی گئی ہوں، یعنی دنیا کے کسی گوشہ میں مسجد کے نام پر ایک سفال پوش جھونپڑی میں بھی قبلہ رو ہوکر پنج وقتی نماز ادا کرنے والے اسی سلسلۂ تاریخ اور عظمت و روایت سے منسلک ہیں جس سے خانہ کعبہ کے مصلی وابستہ ہیں۔

چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جو پاک اور صاف ہوکر گھر سے فرض نماز کے لئے نکلتا ہے اس کا اجر محرم حاجی کے برابر ہے، اس لئے مسلمانوں کو بجا طور پر یہ کہنے کا بھی حق ہے تو ایک روایت کے مطابق مسجد کا پہلا معمار بھی ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے لکھا ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے کی تھی جس کے آثار طوفان نوح میں مٹ گئے، بہرحال یہ تو مسلم ہے کہ دنیا کا سب سے پہلا عبادت خانہ بیت اللہ یعنی کعبہ ہے جو روئے زمین کی تمام مساجد کا قبلہ اور سمت ہے۔ قرآن اس کی صراحت ان الفاظ میں کرتا ہے:

ترجمہ: ”بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لئے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے۔“

گویا مسلمانوں کو حق حاصل ہے کہ وہ دنیا کی قدیم ترین تہذیب کے علمبردار ہیں۔

دنیا کے طول وعرض میں مسلمانوں کے پھیلنے اور ان مقامات پر مساجد تعمیر کرنے کی تاریخ اور مساجد کے اندر وہ زبردست روحانی، سماجی، سیاسی اور تہذیبی قوت پنہاں ہے کہ اگر اسے منکشف کیا جائے اور روبہ عمل لایا جائے تو انسانیت پھر اسی ہمہ جہت انقلاب سے روشناس ہوسکتی ہے آج سے چودہ سو سال پہلے جس کا نظارہ کرچکی ہے۔ اسلامی معاشرہ میں مساجد جو انقلاب پیدا کرتی ہیں، اس کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم نظام مساجد کو سمجھیں اور مختلف پہلوؤں سے اس کا جائزہ لیں۔

مسجد اور اذان

مساجد کی تعمیر کا مقصد اس اذان میں مضمر ہے جو مینار مسجد سے پانچوں وقت بلند ہوتی ہے۔ یہ اذان مومنوں کو تجدید ایمان اور تعمیر سیرت کی طرف بلاتی ہے حکم ہے کہ جب نماز کے لئے پکارا جائے تو سارے کام چھوڑ کر مسجد کا رخ کرو، اس میں نظم وضبط، ڈسپلن وفاداری اور فرمانبرداری کا زبردست سبق ہے۔ اس طلبی کی پکار کو سن کر ہر طرف سے مسلمانوں کا ایک مرکز کی طرف دوڑنا وہی کیفیت اپنے اندر رکھتا ہے جو فوج کی ہوتی ہے، فوجی سپاہی جہاں جہاں بھی ہوں، بگل

کی آواز سنتے ہی سمجھ لیتے ہیں کہ ہمارا کمانڈر ہمیں بلا رہا ہے۔ اس طلبی پر سب کے دل میں ایک ہی کیفیت پیدا ہوتی ہے یعنی کمانڈر کے حکم کی پیروی کا خیال اور اس خیال کے آتے ہی سب ایک ہی کام کرتے ہیں یعنی اپنے اپنے کام چھوڑ کر اٹھنا ہر طرف نے سمت کر ایک جگہ جمع ہو جانا۔

مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں جب اذان کی آواز سنیں دہرائیں اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ جس حقیقت اور جس سعادت کا اعلان موذن کرتا ہے، اس عمل میں دوسرے بھی برابر شریک ہوں اور اپنے حاکم اور مالک کی کبریائی کا انہیں ہر وقت احساس رہے۔ اذان کی حکمت ان ہی لوگوں کی سمجھ میں آ سکتی ہے جن کا تصور مذہب خود ساختہ اور مبہم نہ ہو بلکہ واضح اور معتبر ہو۔

مساجد کا روحانی کردار

مساجد کا سب سے پہلا کردار روحانی حقیقت کا فروغ اور ایمانی طاقت کا پیدا کرنا ہے۔ یہاں ٹھہر کر آپ دنیا کے تمام معابد کی تاریخ کا جائزہ لیجئے یا چشم جہاں "مقدس مقامات" کی زیارت کر لیجئے، کم و بیش تمام معابد ہوسناکیوں، بدکاریوں اور غیر اخلاقی حرکتوں کی جگہ پائیں گے، بہت سے مذاہب تو وہ ہیں جو اپنے معابد میں غیر اخلاقی حرکتوں کو نہ صرف برداشت کرتے ہیں بلکہ خود اس کی ترغیب فراہم کرتے ہیں، تاکہ اس مذہب کے لئے وہ کشش پیدا کر سکیں اور یہ اخلاق باختگی مذہبی نظام کے فروغ اور اشاعت کا ذریعہ ثابت ہو۔

۲:۔۔۔ دوسرے بعض مذاہب اگرچہ اس دردناک صورت حال سے دوچار نہیں ہیں لیکن جو طریقہ کار وہاں اپنایا گیا ہے وہ عریانیت اور جنسی امراض کو فروغ دینے میں کچھ کم رول نہیں ادا کرتا۔ اس کے برخلاف آپ مساجد کی طرف آیئے اسلام کے یہ عبادت خانے دیگر معابد سے قطعی مختلف اور ممتاز ملیں گے۔ یہاں کا ماحول انتہائی پاکیزہ اور روح پرور ملے گا، ان کا پہلا اصول یہ ہے کہ یہاں کی نماز برائیوں اور بے حیائیوں سے روکنے کا ذریعہ ہے۔ ارشاد ہے:

"بے شک نماز بے حیائیوں اور بُری باتوں سے روکتی ہے۔"

اسلام سے پہلے خانہ کعبہ کے اندر مرد و عورت عریاں طواف کیا کرتے تھے اور اسے عبادت سمجھتے تھے۔

۳:۔۔۔ اسلام نے اس حرکت پر بالکلیہ پابندی عائد کر دی۔

۴:۔۔۔ اس کردار کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ دیگر مذاہب میں چند مخصوص لوگ جو پنڈت بھکشو، گرو، احبار اور پوپ یا دیگر ناموں سے جانے جاتے ہیں ان معابد کے محافظ ہوتے ہیں۔ ان کے ہی ذمہ ان معابد کی نگرانی ہوتی ہے اور عملاً وہی فریضہ عبادت انجام دیتے ہیں۔ عام لوگ ان معابد کا رخ یا تو اس وقت کرتے ہیں جب ان کو کوئی ضرورت یا عارضہ پیش آتا ہے یا جب وہ دنیوی کاموں سے فارغ ہو جاتے ہیں اور یہ ان کی زندگی کا پرائیویٹ معاملہ ہوتا ہے۔ مگر اسلام کے مطالبات کے تحت پنج وقتہ نماز کی باجماعت ادائیگی کے علاوہ مسلمانوں کے جملہ اوقات بھی مسجد کے نظام سے منضبط ہوتے ہیں اور ان کی مشغول سے مشغول ترین زندگی بھی اسی نظام کی پابند ہوتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اللہ کے نور سے ہدایت پانے والے ان گھروں میں پائے جاتے ہیں جنہیں بلند کرنے کا اور جن میں اپنے نام کی یاد کا اللہ نے حکم دیا ہے ان میں سے ایسے لوگ صبح و شام اس کی تسبیح کرتے ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد اور اوقات نماز سے غافل نہیں کرتی۔" (النور:۳۶،۳۷)

مسلمانوں میں کوئی گروہ ایسا نہیں، مسجد سے جس کا تعلق زیادہ ہے اور دوسرے کا اس سے کم مسلمانوں کا پانچ مرتبہ مسجد میں حاضر ہونا اور نماز باجماعت کا اہتمام کرنا ہی دینی اور قومی شعار ہے، اور وہ اسی وقت سایہ خداوندی کے حق دار ہوتے ہیں جبکہ اس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہو، کی شان اپنے اندر پیدا کر لیتے ہیں۔

مسجد کی ایک نمایاں شان یہ ہے کہ وہ اطمینان قلب اور دل کے سکون کی بہترین جگہ ہوتی ہے، سکونِ قلب حاصل کرنے کے لئے آج کا انسان بہت کچھ کرتا ہے، بہت سے مقامات کی زیارت کرتا ہے، ڈھیر سارا روپیہ صرف کرتا ہے، مگر سکون قلب میسر نہیں ہوتا۔ قرآن کہتا ہے کہ خدا کی یاد سے اطمینان قلب ہوتا ہے۔ خدا کی یاد یوں تو ہمہ وقتی چیز ہے لیکن اس کی ایک متعین اور اعلیٰ شکل بھی ہے اور وہ نماز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔"

ظاہر ہے کہ اقامت صلوٰۃ مسجد میں ہوتی ہے، معلوم ہوا کہ سکونِ قلب اگر کہیں حاصل ہو سکتا تو وہ مسجد ہے، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کو ریاض الجنۃ یعنی جنت کی کیاریاں قرار دیا ہے، ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی بدترین جگہ بازار ہے اور پسندیدہ جگہ مسجد ہے۔"

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ مسجد میں یکسو ہو کر اللہ کو یاد کریں اور دنیا کی یاد سے اپنے دل کو فارغ کر لیں۔ ارشاد ہے:

"اور ہر مسجد کے پاس اپنا رخ اسی کی طرف کرو اور اسی کو پکارو اسی کے لئے اطاعت کو خاص کرتے ہوئے۔" (الاعراف)

مساجد کا ثقافتی کردار

مساجد کا ایک قابل ذکر پہلو ان کا ثقافتی کردار ہے۔ اسلامی ثقافت یوں تو پوری زندگی سے وابستہ ہے اور مکمل زندگی کا آئینہ ہے، لیکن اس کا بنیادی تعلق ان علوم سے ہے جو اسلام کے ساتھ وجود میں آئے ہیں، ان علوم کی اشاعت کے لئے بعد کے ادوار میں وسیع پیمانہ پر مدارس کا قیام عمل میں آیا۔ لائبریریاں بنائی گئیں اور اکیڈمیاں وجود میں آئیں، مگر صدر اسلام میں ان تمام اداروں کا کام مساجد ہی سے لیا جاتا تھا بلکہ آج بھی ان کا یہ کردار بہت سے مقامات پر باقی ہے، قدیم مساجد کے ساتھ بالعموم مدرسے ہوتے ہیں، جہاں قرآن وحدیث کی تعلیم دی جاتی ہے، بہت سی مسجدوں میں کتب خانے کا اہتمام ہے، اس کے علاوہ قرآن کریم، مجموعہ حدیث اور کچھ دینی کتابیں ضرور ہوتی ہیں۔ اسلام کا پہلا مدرسہ مسجد نبوی ہے، جہاں صحابہ کرامؓ کی باضابطہ تعلیم وترتیب ہوتی تھی اور مذاکرہ ومباحثہ ہوتا تھا، وہیں وہ چبوترہ بھی تھا جو ''صفہ'' کے نام سے مشہور ہے، وہاں سے معلمین اور مبلغین مختلف مقامات پر علم دین اور مبادیات اسلام کی تعلیم و اشاعت کے لئے بھیجے جاتے تھے، ایک مرتبہ مسجد نبوی میں معلمین اور ذاکرین کے دو حلقے مصروف عمل تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ذاکرین کے حلقے سے گزرے تو آپ نے ان کی ہمت افزائی کی لیکن خود معلمین کے حلقے میں یہ کہہ کر تشریف فرما ہوئے کہ ''بعثت معلما'' یعنی: میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، مسجد میں وحی الٰہی کی کتابت بھی انجام پاتی تھی۔ مسجد کا استعمال علم دین ہی کے لئے نہیں بلکہ سنجیدہ اور پاکیزہ شعرو شاعری کے لئے بھی ہوتا تھا۔ حسان بن ثابتؓ کے لئے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر فراہم کیا تھا اور فرمایا تھا حسان تمہارے اشعار مشرکوں کو تیر کی طرح لگتے ہیں اور حضرت عمرؓ نے مسجد کے جنوبی حصہ میں ایک کشادہ صحن صاف کرا دیا تھا، جس کا نام بطیحا رکھا اور فرمایا جس کو بیت بازی کرنی ہو وہ اس صحن میں بیٹھ جایا کرے۔

مساجد کا معاشرتی کردار

ان مساجد کا سب سے اہم پہلو ان کا سماجی کردار ہے۔ سماجی زندگی پر ان کی اثر اندازی کو سمجھنے کے لئے قرن اول کی مسجد نبوی کا ہی مطالعہ کیجئے، وہاں آپ دیکھیں گے کہ اوقات نماز کے علاوہ مسجد کا ایک گوشہ اگر ذاکرین اور معلمین کے لئے خالی ہے تو دوسرا گوشہ سماجی اور معاشرتی امور کی انجام دہی کے لئے موجود ہے، وہاں مریضوں کے لئے خیمہ بھی نصب ہے اور محتاجوں اور ضرورت مندوں کے لئے مال اور سامان زندگی کی تقسیم بھی عمل میں آرہی ہے۔ نکاح کی مبارک اور پرمسرت مجلس بھی منعقد ہورہی ہے اور طلاق ولعان کے فیصلے بھی صادر کئے جارہے ہیں، روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے مسائل اور معاملات پر غور وخوض بھی ہورہا ہے اور دیگر امور کے لئے مشورے کئے جارہے ہیں، وہاں دعوت طعام بھی دی جارہی ہے اور قبول کی جارہی ہے، امانتیں بھی رکھی جارہی ہیں اور مسجد کی عزت اور احترام کے پورے جذبات کے ساتھ خورد ونوش کے انتظامات بھی ہورہے ہیں، گویا یہ مسجد معاشرتی زندگی کے کلی اور جزوی سارے معاملات کے ساتھ ایک تعلق رکھتی ہے اور ان کو رخ دینے میں اپنا رول ادا کرتی ہے، مساجد کے اس کردار نے اسلامی سماج میں ایک ایسی روح پھونک دی ہے کہ زندگی کا ہر مسئلہ اپنے حل کے لئے مسجد کی طرف رخ کرنے کی دعوت دیتا ہے، اور سماجی زندگی کو دینی زندگی سے الگ کرکے دو مختلف زاویہ نگاہ سے دیکھے جانے کی نفی کرتا ہے اور چونکہ مسجدیں مسلمانوں کی آبادی اور تقریباً ہر محلہ میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے وہ مسلم سوسائٹی کے لئے مرکز اعصاب کا مقام رکھتی ہے۔

مساجد کا سیاسی کردار

اور اب ذرا مسجد کے سیاسی کردار کا بھی مطالعہ کرلیجئے، دین دار مسلمانوں کے لئے سیاست ایک گویا شجر ممنوعہ بن گئی ہے، کیونکہ سیاست کا استعمال جن مقاصد کے لئے ہوتا ہے اور جو طریقہ اپنایا جاتا ہے اس کی گندگی ظاہر ہے کوئی دین دار برداشت نہیں کرسکتا، آج کی سیاسی زندگی بدنام زمانہ میکیاولی کے اخلاق اور انسانیت سوز نظریات پر مبنی ہے، مگر اسلام جس نظام زندگی کے نفاذ کا داعی ہے خود اس کے اندر سے ایک سیاست رونما ہوتی ہے جس کی بنیاد اللہ کی حاکمیت طاغوت سے برأت اور مخلوق کی کفالت پر ہے۔ اس سیاست کی فکری بنیاد قرآن فراہم کرتا ہے اس کی عملی تشکیل سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال اور اقوال سے ہوتی ہے اور مسجدیں اس میں موثر کردار ادا کرتی ہیں، مسجد نبوی ہی کو دیکھئے وہاں ایک طرف مجاہدین اسلام جنگی مشقیں یعنی فوجی پریڈ کررہے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اس کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور دوسری طرف جنگی قیدیوں کو وہاں لاکر باندھا بھی جاتا ہے، وہاں سے میدان جنگ پر جانے والوں کو ہدایات بھی دی جاتی ہیں اور حاکموں اور عاملوں کے نام فرامین بھی جاری ہوتے ہیں اور غنائم کی تقسیم اور احتساب کا عمل بھی جاری ہے، اب دوسرے پہلو سے دیکھئے مسجد کو محراب بھی کہا جاتا ہے، محراب اصلاً اس قوس نما سائبان کا نام ہے جہاں امام فریضۂ امامت انجام دیتا ہے۔ محراب حرب کا اسم آلہ ہے یہ لفظی اشتراک معنوی اشتراک کی طرف اشارہ کرتا ہے جو حرب اور محراب یعنی مسجد اور جنگ میں ہے، یعنی مسجد کا ایک رخ انقیاد اور سجدہ ریزی ہے تو دوسرا پہلو طاغوت

کے ساتھ جنگ اور خالقوں سے مقابلہ آرائی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اس اشتراک کو اور واضح کرتی ہے:

"اللہ کو ان دو قطروں سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہے ایک قطرۂ آنسو جس کی وجہ اللہ تعالیٰ کی خشیت ہے اور دوسرا قطرہ خون جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہایا جائے۔"

پھر نماز کا ایک اہم اصول صف بندی ہے جو نماز کا ایک حصہ ہے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حکمت یہ بتائی ہے کہ اس سے دل سیدھے رہتے ہیں اور صف میں کجی دلوں میں پھوٹ پیدا کردیتی ہے اور ٹھیک یہی اصول میدان جنگ میں بھی مطلوب ہے گویا یہ ایک سبق ہے جو صلوٰۃ مسجد اور محاذ جنگ دونوں میں مشترک ہے، قرآن کریم کہتا ہے:

"اللہ تعالیٰ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہوتے ہیں گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔" (الصف)

امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

"امت کا مجمع اور ائمہ کی جگہیں مساجد ہی تھیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد مبارک کی بنا تقویٰ پر اٹھائی تھی، اس میں نماز، قرأت، ذکر، تعلیم اور خطبے ہوتے تھے اور اسی میں سیاست عہدوں کی تقرری، قصاص و دیت کے فیصلے بھی ہوتے تھے، امراء اور عرفا کا تقرر بھی ہوتا تھا اور اسی میں مسلمان اپنے دینی اور دنیوی معاملات کے لئے اکٹھا بھی ہوتے تھے۔"

مختصر یہ ہے کہ مسجد ایک ایسا مرکز ہے جو تمام شعبہ ہائے زندگی کو کنٹرول کرتا ہے۔

انسانی زندگی پر مساجد کے اثرات

مساجد کی شان و عظمت ان کی مادی وجود اور جہت کرداروں کے علاوہ ان اثرات سے بھی آشکارا ہوتی ہے جو انسانی زندگی پر پڑتے ہیں، سب سے پہلا اثر جو انسانی زندگی پر یہ مسجدیں ڈالتی ہیں وہ اجتماعیت کا جذبہ اور احساس ہے۔مسجد کا قیام اسی لئے عمل میں آتا ہے کہ اس میں نماز با جماعت ادا کی جائے۔فرض نمازوں کا مزاج بھی یہی ہے کہ وہ جماعت کے ساتھ ادا کی جائیں، اسی لئے قرآن و حدیث میں صرف نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ "اقامت صلوٰۃ" کا حکم دیا گیا ہے اور اقامت کا مفہوم جماعت ہے۔چنانچہ فضیلت کے اعتبار سے جماعت کی نماز انفرادی نماز سے ۲۷ گنا زیادہ ثواب کا باعث ہے، مقبولیت کے لحاظ سے جماعت ترک کرنے والوں کی نماز بغیر عذر شرعی کے معتبر نہیں، اگر چہ فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔عمومی حیثیت سے دیکھئے تو مسجد میں آنے والے جب پانچوں وقت ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں تو ان کے تعلقات میں غیر شعوری طور پر اضافہ ہوتا ہے، وہ ایک دوسرے کے حالات سے باخبر ہوتے ہیں، باہم جڑتے ہیں اور ان میں آپس کی مدد اور خیر خواہی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اگر کوئی جماعت سے غیر حاضر ہو تو اس کے متعلق کسی بیماری یا کسی عارضہ کا شبہ پیدا ہوتا ہے پھر یہ تشویش غمگساری اور باہمی تعاون کے جذبہ کو مہمیز فراہم کرتی ہے۔نیز جماعت کا ایک اصول یہ ہے کہ وہ بغیر امام کے معتبر نہیں اور امامت کا معیار یہ ہے کہ امام علم و فہم اور تقویٰ میں ممتاز ہو، جماعت کا یہ اصول عمومی زندگی کے انضباط اور ارتباط کا مطالبہ کرتا ہے اور ایک متحدہ جماعتی زندگی گزارنے کا محرک بن جاتا ہے۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"نماز قائم کرو اور ان مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ جنہوں نے اپنا اپنا دین الگ بنا لیا ہے اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔" (الروم)

پانچ نمازوں کے علاوہ ایک نماز جمعہ بھی ہے، یہ ہفتہ کی عید ہے، اسی لئے کسی بڑی مسجد میں ادا کی جاتی ہے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ ہر چھوٹی اجتماعیت بڑی اجتماعیت کا حصہ اور اس سے ہم رشتہ ہوتی ہے، اس کا ایک پہلو خطبہ ہے، اس میں دین کے احکام، حالات حاضرہ میں مسلمانوں کی ذمہ داریاں، کرنے کا کام اور مسائل و مشکلات پر قرآن و سنت سے روشنی ڈالی جاتی ہے، گویا یہ نماز اجتماعی زندگی کو مستقیم نہج عطا کرتی ہے، مساجد کے اس اثر کو محفوظ کرنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کی بنائی ہوئی "مسجد ضرار" کو منہدم کروادیا، اس کی وجہ ابن عربی مالکیؒ یہ بتاتے ہیں:

"سارے مسلمان ایک جماعت تھے اور ایک مسجد کے مصلی تھے، منافقین نے چاہا کہ طاعت میں ان کا شیرازہ منتشر کردیں اور ان سے علیحدہ رہ کر کفر و معصیت کو فروغ دیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدائی نظم جماعت کا مقصد یہ ہے کہ دلوں میں ارتباط، اطاعت میں یک رنگی اور شیرازہ بندی قائم رہے تاکہ باہم انسیت اور محبت پیدا ہو اور کینہ و کپٹ و نفرت سے دل پاک رہیں۔" (دعوت الحق)

ان نمازوں کے علاوہ اجتماعیت کا بڑا سرچشمہ حج ہے جو روئے زمین کی پہلی مسجد میں ادا کیا جاتا ہے، ہر صاحب ثروت پر فرض ہے کہ وہ زندگی میں ایک بار تو لازماً اس فریضہ کو انجام دے۔حج ان تمام اجتماعوں کا اجتماع ہے، اس کا سر رشتہ اللہ کے ساتھ والہانہ لگاؤ اور اس کی مرضی پر قربان ہونا یعنی بے خودی کی محویت ہے اور آخری سرا اسلامی اجتماعیت ہے، گویا حج عظیم اسلامی عالمی کانفرنس ہے، جو روئے زمین کے تمام مسلمانوں کو مخاطب کرتی ہے، اسلام کا پیغام پہنچاتی ہے اور ان کے اندر حوصلہ، قربانی، قناعت اور انابت کی روح پھونکتی ہے۔ (جاری ہے)

مرزا قادیانی اور اسلامی عبادات

شیخ راحیل احمد، جرمنی

قادیانی جماعت:

جوکہ اپنے آپ کو صرف جماعت احمدیہ کہلانا پسند کرتی ہے لیکن ساتھ ہی مسلمان ہونے کی دعویدار ہے۔ یہ جماعت مرزا غلام اے قادیانی، بانی جماعت کو بنیادی طور پر مسیح موعود اور مہدی موعود کبھی کبھار دوسروں کو بات کے چکر میں ڈالنے کے لئے مجدد یا محدث بھی کہتی ہے۔ قادیانی گروہ کی زیادہ تعداد درحقیقت مرزا قادیانی کو ایک نبی یقین کرتی ہے۔ ایک دلچسپ بات کہ آج تک اپنے نبی کی نبوت پر اس مذہب کے کسی بھی گروہ نے نبی ہونے یا نبی نہ ہونے کا سوال نہیں اُٹھایا بلکہ اپنے نبی کو نبی کہتے اور یقین کرتے ہیں۔ یہ اعزاز بھی صرف مرزا قادیانی کے پیروکاروں کو ہی حاصل ہوا کہ مرزا غلام اے قادیانی نبی تھے یا نہیں اس پر قادیانی جماعت دو حصوں میں اور سو سال کے اندر اندر مزید چودہ یا پندرہ فرقوں میں تقسیم ہو چکی ہے اور یہ صرف ایک عام مدعی نبوت کاذب ہی نہیں بلکہ نعوذ باللہ اس سے بھی بہت بڑھ کر؟

ذاتی تجربہ:

کی بناء پر وثوق سے قادیانی جماعت کی ایک بہت بڑی تعداد کو بھی مرزا قادیانی کے اصل عقائد اور اعمال، اقدار، اخلاق، تحریفات کا علم نہیں اور وہ صرف اتنا ہی جانتے ہیں جتنا ان کو مرزا خاندان کے تنخواہ دار بھونپو یعنی مربیان بتاتے ہیں یا پھر وہ یہ تو سنتے ہیں کہ مرزا قادیانی نے اسی (۸۰) سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں، یہ علیحدہ بات کہ ان کی بار بار دہرائی ہوئی باتوں کو نکال دیں تو غالباً تین یا چار کتابیں ہی برآمد ہوں۔

جماعت بظاہر کہتی ہے کہ مرزا قادیانی کی کتابیں پڑھو لیکن عملی طور پر جماعتی نظام نے ایسی حکمت عملی اختیار کی ہے کہ جماعت کے ممبران پانچ/چھ کتابوں سے باہر نہیں نکل سکتے۔ وہ پانچ یا چھ کتابیں یہ ہیں۔ الوصیت (تاکہ مال اور جائیداد ہتھیا سکیں)، سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب (تاکہ جماعت جو چندہ لے رہی ہے اس کا جواز دکھا سکے) ایک غلطی کا ازالہ (تاکہ نبوت کا پیغام ذہنوں میں بٹھائے)، پیغام

> شافع دو جہان، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی بھی شخص کا موازنہ کرنا، میرے ایمان کے مطابق جائز ہی نہیں، کجا کوئی برابری کا یا آگے بڑھنے کا دعویٰ کرے

صلح (عام قادیانی کو دھوکہ میں رکھنے کے لئے کہ مرزا قادیانی امن پسند نبی ہیں)، کشتی نوح (کم پڑھے لوگوں کو ہمیشہ طاعون سے ڈرا کر قابو رکھنا) اسلامی اصول کی فلاسفی (عام قادیانی کو یہ بتانے کے لئے کہ مرزا قادیانی پیچیدہ کتابیں بھی لکھ لیتے تھے۔ علیحدہ بات کہ بعد میں مرزا قادیانی کو بھی سمجھ نہیں آئی تھی کیا لکھا ہے) آخری دو تو غالباً مرزا مسرور کی بھی سمجھ میں نہیں آتیں عام قادیانی کی سمجھ میں کیا آئیں گی۔ اگر قادیانی گروہ کے لوگ اس مقرر کردہ دائرے سے باہر نکل کر مرزا قادیانی کی کتابیں پڑھنی شروع کر دیں تو وہ انشاء اللہ! جماعت کو ہی اپنے دلوں اور گھروں سے بھی نکال دیں گے۔ ویسے بھی مرزا طاہر چوتھے خلیفہ نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ مرزا قادیانی کی کتابیں کوئی انسان ۲۔۳ صفحے سے زیادہ نہیں پڑھ سکتا اور اس مضمون کے مولف نے ذاتی طور پر سنی ہے اور مرزا قادیانی کے بارے میں ادھورہ علم ہونے اور صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے قادیانی حضرات دیانتداری سے بھی یہ سوال کرتے ہیں کہ مسلمان قادیانی جماعت کو مسلمان کیوں نہیں سمجھتے، حالانکہ وہ کلمہ پڑھتے ہیں، نماز ادا کرتے ہیں، قرآن کریم پر یقین کرتے ہیں، اپنی عبادات گاہ کو مسجد کہتے ہیں، زکوٰۃ اور حج پر یقین کرتے ہیں۔ اس کے باوجود مسلمان، قادیانیوں (احمدیوں) کو غیر مسلم قرار دے کر اور ان سے فاصلہ رکھ کر ان کے ساتھ ظلم کرتے ہیں۔

یہاں مرزا قادیانی کی زندگی کا اس پہلو سے جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ جو قادیانی حضرات ایسے سوال کرتے ہیں ان کے سامنے یہ پہلو بھی آجائے، شاید اس طرح اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول کرتے ہوئے ان کو قرآن کریم کی نصیحت کے مطابق غور اور فکر کا موقع عنایت کر دے۔ آمین!

اسلام میں عبادات:

ایک عام مسلمان کے لئے بھی بجا لانی ضروری ہیں لیکن مومن کے لئے تو اس کی بہت ہی تاکید ہے اور مومن کے لئے قرآن کریم کے مطابق عمل صالح

کے ساتھ ایمان لانا تو ضروری ہے ہی۔ لیکن سورۃ النساء، آیت کریمہ ۱۶۲ (قادیانی جماعت کے حساب سے ۱۶۳) میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”مگر جو لوگ ان میں سے علم راسخ (یعنی پکے۔ ناقل) ہیں اور جو مومن ہیں وہ اس (کتاب) پر جو تم پر نازل ہوئی اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل ہوئیں (سب پر) ایمان رکھتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور خدا اور روز آخرت کو مانتے ہیں۔“ ایک مومن کے لئے یہ بنیادی شرائط ہیں تو یقیناً ولایت کا دعویدار یا اس سے آگے مجددیت، محدثیت اور سب سے بڑھ کر نبی ہونے کے دعویدار کے لئے تو ان پر انتہائی احتیاط، باریک بینی کے ساتھ عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ اس آیت کریمہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ہمیں کسی بھی غلطی سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں دو وحیوں کا ذکر کرتا ہے۔ ایک جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل نازل ہوئی اور دوسری جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ (تیسری کسی وحی کا ذکر نہیں جو مرزا قادیانی پر نازل ہوئی)

مرزا قادیانی کا دعویٰ نبوت کوئی دوسرے انبیاء کی طرح نہیں بلکہ سب انبیاء کرام علیہم السلام حتیٰ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھ کر ہے۔

مرزا قادیانی لکھتے ہیں:

”اس میں اصل بھید یہی ہے کہ خاتم النبیین کا مفہوم تقاضا کرتا ہے کہ جب تک کوئی پردہ مغائرت کا باقی ہے اس وقت تک اگر کوئی نبی کہلائے گا تو گویا اس مہر کو توڑنے والا ہوگا جو خاتم النبیین پر ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اسی خاتم النبیین میں ایسا گم ہو کہ بباعث نہایت اتحاد اور نفی غیریت کے اسی کا نام پالیا ہو اور صاف آئینہ کی طرح محمدی چہرہ کا اس میں انعکاس ہوگیا ہو تو وہ بغیر مہر توڑنے کے نبی کہلائے گا۔ کیونکہ وہ محمد ہے گو ظلی طور پر۔ پس باوجود اس شخص کے دعویٰ نبوت کے جس کا نام ظلی طور پر محمد اور احمد رکھا گیا پھر بھی سیدنا محمد خاتم النبیین ہی رہا کیونکہ یہ محمد ثانی اسی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر اور اسی کا نام ہے۔“ (ایک غلطی کا ازالہ، ص:۳، خزائن ج:۱۸ ص:۲۰۹)

ان کے بیٹے مرزا بشیر احمد ایم اے نے اس کی تشریح میں لکھا ہے:

”مسیح موعود کو تب نبوت ملی جب اس نے نبوت محمدیہ کے تمام کمالات کو حاصل کرلیا اور اس قابل ہوگیا کہ ظلی نبی کہلائے پس ظلی نبوت نے مسیح موعود کے قدم کو پیچھے نہیں ہٹایا بلکہ آگے بڑھایا اور اس قدر آگے بڑھایا کہ نبی کریم کے پہلو بہ پہلو لا کھڑا کیا۔“

(کلمۃ الفصل ص:۱۱۳، از مرزا بشیر احمد ایم اے)

ان حوالوں سے کم از کم یہ تو ثابت ہوگیا کہ مرزا قادیانی اور ان کے متبعین ان کو نعوذ باللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر سمجھتے ہیں۔ مرزا قادیانی کے بیٹے کی شہادت میری اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ جو نتیجہ میں نے نکالا ہے وہ صحیح ہے۔

لیکن اس سے بھی بڑھ کر جو ہر اس ایک فقرے کے اندر مخفی ہے، مقام رسول اللہ پر کتنا سخت اور گہرا، بالواسطہ حملہ ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی اور انہوں نے تب اس میں کمال حاصل کیا لیکن مرزا قادیانی کو نبوت ملنے سے پہلے ہی تمام کمالات دے دیئے گئے اس کے بعد ان کو صرف ظلی نبی یعنی ایک سایہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کھڑا ہونے کے قابل کرکے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو بہ پہلو کھڑا کردیا اور ساتھ ہی عندیہ دے دیا کہ ابھی ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔ استغفر اللہ!

اس وجہ سے ضروری ہے کہ جب ہم مرزا قادیانی کی عبادات کا جائزہ لیں تو جماعت کے اس موقف کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم مرزا قادیانی کی عبادات، ریاضت، تقویٰ، توفیق باللہ، عمل و گفتگو کو اس نقطہ نظر سے دیکھیں گے کہ کیا واقعی مرزا قادیانی نے کم از کم عبادات میں تمام کمالات کو حاصل کرلیا؟ کیونکہ اسلام میں عبادات بنیادی اینٹ ہیں جن پر باقی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ عبادات میں ان کی روح کے مطابق نیز ظاہر و قول میں بھی سنت کے مطابق عمل کرے گا تو کمالات کی منزل تک پہنچے گا۔

رحمت اللعالمین:

شافع دو جہان، حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی بھی شخص کا موازنہ کرنا، میرے ایمان کے مطابق جائز ہی نہیں، کجا کوئی برابری کا یا آگے بڑھنے کا دعویٰ کرے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اگر کسی کی سمجھ میں مکمل طور پر آجائے تو پھر وہ رحمت اللعالمین ہی نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ انسانی ذہن جس چیز کی حقیقت کو پالیتا ہے، انسان کے پاس اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی اور یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں جہانوں کا شافع، نبیوں کا سردار اور رحمت اللعالمین، یعنی کل عالم کے لئے ہمیشہ کے لئے رحمت قرار دے اور پھر اس عظیم انسان کی قدر و قیمت بھی ختم کردے، تاکہ نعوذ باللہ انسان اس سے بہتر کسی رحمت اللعالمین کی تلاش میں لگ جائے؟ یہ ممکن ہی نہیں انسانی ذہنوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کا مکمل ادراک ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن مرزا قادیانی کی طرح جب کوئی شخص بے بنیاد تعلیموں کے دعوے کرے تو پھر ضروری ہے کہ اس کی کردار، گفتار اور عمل کا جائزہ اس کے دعوؤں کے مطابق لیا جائے تاکہ حق واضح ہوسکے اور یہ موازنہ نہیں بلکہ حق اور باطل کے درمیان وضاحت کی کوشش ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول کرے۔ آمین! ☆☆☆

مرزا صاحب کی پیشگوئیاں

پانچویں قسط

مولانا لال حسین اخترؒ

پانچویں پیشگوئی اپنی مقامِ موت کے متعلق:

مرزا صاحب نے اپنا الہام شائع کیا تھا:

”ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں۔“

(البشریٰ، ج:۲، ص:۱۰۵، تذکرہ، ص:۵۹۱، طبع سوم)

یہ الہام بھی سراسر غلط ثابت ہوا، مرزا صاحب لاہور میں مرے، مریدوں نے ان کی لاش کو دجال کے گدھے (ریل گاڑی) پر لاد کر قادیان پہنچایا۔

قارئین! میں نے بطور نمونہ مشتے از خروارے مرزا صاحب کی پانچ پیشگوئیاں آپ کے سامنے رکھ دی ہیں اور نتیجہ بھی آپ کے گوش گزار کر دیا ہے۔ مرزا صاحب کی پیشگوئیوں کی عبارات جب مرزائیوں کے سامنے پیش کی جاتی ہیں تو مرزائی ان کے جوابات سے تنگ آکر کہہ دیا کرتے ہیں کہ پیشگوئیوں کی تفہیم میں مرزا صاحب سے غلطی ہوسکتی ہے، لیکن ان کا یہ کہنا محض دفع الوقتی اور مرزا صاحب کی تصریحات کے خلاف ہے کیونکہ مرزا صاحب نے اپنا الہام بیان کیا ہے:

”وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔“ (اربعین:۳، ص:۳۶، روحانی خزائن، ص:۴۲۶، ج:۱۷)

ترجمہ: ”اور یہ اپنی طرف سے نہیں بولتا بلکہ جو کچھ تم سنتے ہو یہ خدا کی وحی ہے۔“

مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”یہ بات بھی اس جگہ بیان کردینے کے لائق ہے کہ میں خاص طور پر خدا تعالیٰ کی اعجاز نمائی کو انشاء پردازی کے وقت بھی اپنی نسبت دیکھتا ہوں، کیونکہ جب میں عربی میں یا اردو میں کوئی عبارت لکھتا ہوں تو میں محسوس کرتا ہوں کہ کوئی اندر سے مجھے تعلیم دے رہا ہے۔“ (نزول المسیح ص:۵۶، روحانی خزائن، ص:۴۳۴، ج:۱۸)

”ایسا ہی عربی فقرات کا حال ہے۔ عربی تحریروں کے وقت میں صدہا بنے بنائے فقرات وحی متلو کی طرح دل پر وارد ہوتے ہیں اور یا یہ کہ کوئی فرشتہ ایک کاغذ پر لکھے ہوئے وہ فقرات دکھا دیتا ہے۔“ (نزول المسیح ص:۵۷، روحانی خزائن، ص:۴۳۵، ج:۱۸)

ان حوالہ جات سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا صاحب اپنی طرف سے کچھ نہیں بولتے تھے بلکہ وحی الٰہی سے بولتے تھے اور اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھتے تھے بلکہ اندرونی تعلیم سے تحریر فرماتے تھے یا فرشتے کی لکھی ہوئی عبارات کو اپنی کتابوں میں نقل کر لیتے تھے، اسی کی مزید تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے۔

مرزا صاحب کو الہام ہوا:

”استقامت میں فرق آگیا۔“

ایک صاحب نے کہا کہ وہ کون شخص ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ: ”معلوم تو ہے مگر جب تک خدا کا اذن نہ ہو میں بتلایا نہیں کرتا، میرا کام دعا کرنا ہے۔“ (البدر، ج:۲، نمبر۱۰، ۱۹۰۳ء، از مکاشفات، ص:۳۰، تذکرہ، ص:۴۲۶، طبع:۳)

اس واقعہ نے تصدیق کردی کہ مرزا صاحب بغیر وحی اور خدا تعالیٰ کے اذن کے کچھ نہیں کہا کرتے تھے، ان دریں حالات مرزا صاحب کے کلام یا تحریر میں غلطی نہیں ہوسکتی۔

لاہوری مرزائیو! مرزا صاحب کے متذکرہ بالا الہام اور تحریرات کو غور سے پڑھنے کے بعد بتاؤ کہ مرزا صاحب اپنی تحریر یا تقریر میں ”اجتہادی غلطیوں“ کے قائل تھے یا نہیں؟ سوچ سمجھ کر جواب لکھنا۔

سنبھل کے قدم رکھنا دشت خار میں مجنوں\
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

مرزا صاحب کے اَنٹ شَنٹ الہامات:

مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ میری وحی الہامات یقینی اور قرآن پاک کی طرح ہیں، لیکن جب ہم مرزا صاحب کے الہامات کو سرسری نظر سے دیکھتے ہیں تو ہمیں کثرت سے ایسے الہامات نظر آتے ہیں جنہیں خود مرزا صاحب بھی نہ سمجھ سکے تھے، چنانچہ مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض الہامات مجھے ان زبانوں میں بھی ہوتے ہیں، جن سے مجھے کچھ بھی واقفیت نہیں جیسے انگریزی یا سنسکرت یا عبرانی وغیرہ۔“ (نزول المسیح، ص:۵۷، روحانی خزائن، ص:۴۳۵، ج:۱۸)

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم“ ”اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اپنی قوم کی زبان میں ہی تا کہ انہیں کھول کر بتا دے لیکن قرآن پاک کے اس صریح اصول کے خلاف مرزا صاحب کو ان زبانوں میں بھی الہامات ہوئے ہیں جن کو وہ خود نہیں سمجھ سکتے، دوسروں کو خاک سمجھاتا تھا، ہم بطور نمونہ مرزا صاحب کے چند الہام درج ذیل کرتے ہیں:

۱:... ”ایلی ایلی لما سبقتنی،

ایلی اوس ’’…اے میرے خدا، اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا آخری فقرہ اس الہام کا یعنی ایلی اوس بباعث سرعت ورود مشتبہ رہا اور نہ اس کے کچھ معنے کھلے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔‘‘ (البشریٰ، ج:۱، ص:۳۶، تذکرہ، ص:۹۱، طبع:۳)

۲:…’’پھر بعد اس کے (خدا نے) فرمایا: ’’ھو شعنا نعسا‘‘ یہ دونوں فقرے شاید عبرانی ہیں اور ان کے معنے ابھی تک اس عاجز پر نہیں کھلے۔‘‘ (براہین احمدیہ، ص:۵۵۶، روحانی خزائن، ص:۶۶۴، ج:۱)

۳:… ’’پریشن، عمر براطوس، یا پلاطوس۔ (نوٹ) آخری لفظ ’’پڑطوس‘‘ ہے یا ’’پلاطوس‘‘ ہے۔ بباعث سرعت الہام دریافت نہیں ہوا اور ’’عمر‘‘ عربی لفظ ہے، اس جگہ ’’براطوس‘‘ اور ’’پریشن‘‘ کے معنے دریافت کرنے ہیں کہ کیا ہیں اور کس زبان کے یہ لفظ ہیں۔‘‘ (از مکتوبات احمدیہ، ج:۱، ص:۶۸، والبشریٰ، ج:۱، ص:۵۱، تذکرہ، ص:۱۱۵، طبع:۳)

احمدی دوستو! مرزا صاحب کو جس زبان میں الہام ہوتا ہے، مرزا صاحب اس زبان کو نہیں جانتے، بتاؤ کہ مرزا صاحب پر یہ مثال صادق آتی ہے یا نہیں؟

’’زبان شوخ من ترکی و من ترکی نمی دانم‘‘

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے مندرجہ بالا اور ہمچو قسم الہامات اس خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں تھے، جس نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل فرمایا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ’’وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ‘‘ …ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اپنی قوم کی زبان میں ہی…۔ لیکن مرزا صاحب کو ان زبانوں میں ’’الہامات‘‘ ہوئے، جو مرزا صاحب کی قومی زبان نہیں تھی، خود مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:

’’یہ بالکل غیر معقول اور بے ہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی ہو اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو، جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتا، کیونکہ اس میں تکلیف مالا یطاق ہے اور ایسے الہام سے فائدہ کیا ہوا جو انسانی سمجھ سے بالا تر ہے۔‘‘ (چشمہ معرفت، ص:۲۰۹، روحانی خزائن، ص:۲۱۸، ج:۲۳)

یہاں تک ہی نہیں کہ مرزا صاحب غیر زبانوں کے ’’الہامات‘‘ نہ سمجھ سکے ہوں، بلکہ بہت سے اردو اور عربی ’’الہامات‘‘ بھی مرزا صاحب کی سمجھ سے بالا تر رہے اور ان کے متعلق انہیں معلوم نہ ہوا کہ وہ کس کے متعلق ہیں۔ مرزائی دوستوں کی خاطر نمونہ درج کئے دیتا ہوں:

۱:…’’پیٹ پھٹ گیا‘‘ دن کے وقت کا الہام ہے، معلوم نہیں کہ یہ کس کے متعلق ہے۔‘‘ (البشریٰ، ج:۲، ص:۱۱۹، تذکرہ، ص:۶۷۲، طبع:۳)

۲:…’’خدا اس کو پنج بار ہلاکت سے بچائے گا‘‘ نامعلوم کس کے حق میں یہ الہام ہے۔‘‘ (البشریٰ، ج:۲، ص:۱۱۹، تذکرہ، ص:۶۷۴، طبع:۳)

۳:… ’’۲۴؍ستمبر ۱۹۰۶ء مطابق ۵؍شعبان ۱۳۲۴ھ بروز پیر…… موت تیرا ماہ حال کو۔‘‘ نوٹ: قطعی طور پر معلوم نہیں کہ کس کے متعلق ہے۔ (البشریٰ، ج:۲، ص:۱۱۹/۱۲۰، تذکرہ، ص:۶۷۵، طبع:۳)

۴:…’’بہتر ہوگا کہ اور شادی کرلیں۔‘‘ معلوم نہیں کہ کس کی نسبت یہ الہام ہے۔‘‘ (البشریٰ، ج:۲، ص:۱۲۳، تذکرہ، ص:۶۹۷، طبع:۳)

۵:… ’’بعد ۱۱۔ انشاء اللہ!‘‘ اس کی تفہیم نہیں ہوئی کہ ۱۱ سے کیا مراد ہے گیارہ دن یا گیارہ ہفتے یا کیا یہی ہندسہ ۱۱ کا دکھایا گیا ہے۔‘‘ (البشریٰ، ج:۲، ص:۶۵/۶۶، تذکرہ، ص:۴۰۱، طبع:۳)

۶:…’’عثم، عثم، عثم۔‘‘ (البشریٰ، ج:۲، ص:۵۰، تذکرہ، ص:۳۱۹، طبع:۳)

۷:…’’ایک دم میں دم رخصت ہوا۔‘‘ (نوٹ: از حضرت مسیح موعود) فرمایا کہ آج رات مجھے ایک مندرجہ بالا الہام ہوا، اس کے پورے الفاظ یاد نہیں رہے اور جس قدر یاد رہا وہ یقینی ہے مگر معلوم نہیں کہ کس کے حق میں ہے لیکن خطرناک ہے، یہ الہام ایک موزوں عبارت میں ہے مگر ایک لفظ درمیان میں سے بھول گیا۔‘‘ (البشریٰ، ج:۲، ص:۱۱۷، تذکرہ، ص:۶۶۶، طبع:۳)

۸:…’’ایک عربی الہام تھا، الفاظ مجھے یاد نہیں رہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ مکذبوں کو نشان دکھایا جائے گا۔‘‘ (البشریٰ، ج:۲، ص:۹۳)

۹:…’’ایک دانہ کس کس نے کھانا۔‘‘ (البشریٰ، ج:۲، ص:۱۰۷، تذکرہ، ص:۵۹۵، طبع:۳)

۱۰:…’’لاہور میں ایک بے شرم ہے۔‘‘ (البشریٰ، ج:۲، ص:۱۲۶، تذکرہ، ص:۷۰۲، طبع:۳)

۱۱:…’’ربنا عاج‘‘ ہمارا رب عاجی ہے، عاجی کے معنی ابھی تک معلوم نہیں ہوئے۔‘‘ (البشریٰ، ج:۲، ص:۴۳، تذکرہ، ص:۱۰۲، طبع:۳)

۱۲:…’’آسمان ایک مٹھی بھر رہ گیا۔‘‘ (البشریٰ، ج:۲، ص:۱۳۹، تذکرہ، ص:۷۵۱، طبع:۳)

مرزا صاحب کے اختلافات:

قرآن مجید کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ’’لو کان من عند غیر اللّٰہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً‘‘ یعنی یہ کلام، اللہ کے سوا اور کسی کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت سے اختلافات پائے جاتے۔ اس آیت کریمہ نے فیصلہ کردیا کہ اگر کسی مدعی الہام کے اقوال میں اختلاف ہو تو وہ اپنے دعویٰ الہام میں سچا نہیں بلکہ

جھوٹا ہے۔ مرزا صاحب نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

"ہر ایک کو سوچنا چاہئے کہ اس شخص کی حالت ایک مخبوط الحواس انسان کی حالت ہے کہ ایک کھلا کھلا تناقض اپنے کلام میں رکھتا ہے۔" (حقیقۃ الوحی، ص:۱۸۴، روحانی خزائن ص:۱۹۱، ج:۲۲)

مرزا صاحب نے اپنی کتاب "ست بچن" کے ص:۳۲، روحانی خزائن، ص:۱۴۳، ج:۱۰ پر بھی لکھا ہے کہ: "ایک دل سے دو متناقض باتیں نہیں نکل سکتیں، کیونکہ ایسے طریق سے یا انسان پاگل کہلاتا ہے یا منافق۔" مگر باوجود مرزا صاحب کے ان زبردست اقراروں کے ہمیں ان کی تصنیفات میں کثرت سے اختلافات اور تناقض نظر آتے ہیں، قارئین کے تفنن طبع کے لئے عدم گنجائش کی وجہ سے صرف پانچ ہی اختلاف درج ذیل ہیں:

پہلا اختلاف:

"یہ تو سچ ہے کہ مسیح اپنے وطن گلیل میں جاکر فوت ہوگیا۔" (ازالہ اوہام، ص:۴۷۳، روحانی خزائن، ص:۳۵۳، ج:۳)

"بعد اس کے مسیح اس زمین سے پوشیدہ طور پر بھاگ کر کشمیر کی طرف آ گیا اور وہیں فوت ہوا۔" (کشتی نوح، ص:۵۲، روحانی خزائن ص:۵۷،۵۸، ج:۱۹)

دوسرا اختلاف:

"اور اس شخص کا مجھ کو وہابی کہنا غلط نہ تھا، کیونکہ قرآن شریف کے بعد صحیح احادیث پر عمل کرنا ہی ضروری سمجھتا ہوں۔" (کلام مرزا از بدر، ۴؍جولائی ۱۹۰۷ء)

"ہمارا مذہب وہابیوں کے برخلاف ہے۔" (کلام مرزا از ڈائری ۱۹۰۱ء، ص:۳۶)

تیسرا اختلاف:

"لوگوں نے جو نام حنفی، شافعی وغیرہ رکھے ہیں، یہ سب بدعت ہیں۔" (کلام مرزا از ڈائری، ۱۹۰۱ء، ص:۴)

"ہمارے یہاں جو آتا ہے اسے پہلے ایک حنفیت کا رنگ چڑھانا پڑتا ہے، میرے خیال میں یہ چاروں مذہب اللہ تعالیٰ کا فضل ہیں اور اسلام کے واسطے ایک چار دیواری۔" (کلام مرزا از ڈائری، ص:۲۷)

چوتھا اختلاف:

"حضرت مسیح کی چڑیاں باوجودیکہ معجزہ کے طور پر ان کا پرواز قرآن کریم سے ثابت ہے مگر پھر بھی مٹی کی مٹی ہی تھی۔" (آئینہ کمالات اسلام، ص:۶۸، روحانی خزائن، ص:۶۸، ج:۵)

"اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ان پرندوں کا پرواز قرآن شریف سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔" (ازالہ اوہام، ص:۳۰۷، روحانی خزائن، حاشیہ، ص:۲۰۶،۲۰۷، ج:۳)

پانچواں اختلاف:

آیت "فلما توفیتنی" سے پہلے یہ آیت ہے: واذ قال اللّٰہ یا عیسیٰ انت قلت للناس ... الخ، اور ظاہر ہے کہ "قال" کا صیغہ ماضی کا ہے اور اس کے اول "اذ" موجود ہے، جو خاص واسطے ماضی کے آتا ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ قصہ وقت نزول آیت زمانہ ماضی کا ایک قصہ تھا، نہ زمانہ استقبال کا۔" (ازالہ اوہام، ص:۶۰۳، روحانی خزائن، ص:۴۲۵، ج:۳)

"جس شخص نے "کافیہ" یا "ہدایت النحو" بھی پڑھی ہوگی وہ خوب جانتا ہے کہ ماضی مضارع کے معنوں پر بھی آجاتی ہے، بلکہ ایسے مقامات میں جبکہ آنے والا واقعہ متکلم کی نگاہ میں یقینی الوقوع ہو۔ مضارع کو ماضی کے صیغہ پر لاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ونفخ فی الصور فاذاھم من الاجداث الی ربھم ینسلون" اور جیسا کہ فرمایا: "واذ قال اللّٰہ یعیسیٰ ابن مریم ء انت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللّٰہ قال اللّٰہ ھذا یوم ینفع الصدقین صدقھم۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ، حصہ پنجم، ص:۶، روحانی خزائن ص:۱۵۹، ج:۲۱)

(جاری ہے)

جرمن ریاست "اسلام" کو سرکاری مذہب تسلیم کرے گی

ہمبرگ جلد ہی دین اسلام کو کمیونٹی کی سطح پر سرکاری مذہب تسلیم کرنے والی پہلی جرمن ریاست بن جائے گی۔ اس سلسلہ میں جرمن حکام اور مذہبی اسکالرز کے درمیان گزشتہ چار برس سے خاموش مذاکرات جاری ہیں اور توقع ہے کہ ریاست میں عنقریب اسلام کو سرکاری مذہب تسلیم کرلیا جائے گا، جس کے بعد مسلمانوں کو بھی عیسائیوں اور یہودیوں کے برابر قانونی حقوق حاصل ہو جائیں گے۔ جرمنی کی سب سے بڑی مسلم تنظیموں میں سے ایک جرمن مسجد نیٹ ورک کی ہمبرگ برانچ DITIB کے چیئرمین محمد زکریا کا کہنا ہے کہ ریاست میں اسلام کو سرکاری مذہب کے طور پر تسلیم کیا جانا ہمارے لئے اس لئے اہم ہے کہ ہم بھی اس معاشرہ کا ایک اہم حصہ ہیں۔ یورپ کی بااثر ریاستوں میں سے ایک ہمبرگ کو شمالی جرمنی کا ٹرانسپورٹیشن حب کہا جاتا ہے جس کی آبادی 17 لاکھ 72 ہزار 100 نفوس پر مشتمل ہے جو جرمنی کا دوسرا جب کہ یورپ کا آٹھواں سب سے بڑا شہر ہے اور یورپ کی تیسری بڑی بندرگاہ بھی واقع ہے۔ (پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ، ۱۰؍مئی ۲۰۱۳ء)

روح افزا
SHARBAT
ROOH AFZA
اور کیا چاہیئے!

آنکھ کا نور دل کا نور نہیں!

مرسلہ: مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

عزیز بچو! میں اس مختصر سے مضمون میں آپ کی توجہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کی طرف منعطف کرانا چاہتا ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع عطا فرمائے:

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

عزیزان من! اللہ پاک نے اپنے مقدس کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے' جس شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کی' گویا اس نے میری تابعداری کی۔ رب العزت کو سرور کونین کی ہر ادا پسند آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بھی بیان فرماتے اللہ پاک کا کلام بیان فرماتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اطہر بے شک ہمارے لئے کامل نمونہ ہے۔ ایک تاجر کی حیثیت سے' ایک حاکم کی حیثیت سے' ایک معلم کی حیثیت سے' ایک باپ کی حیثیت سے۔ ہمیں آپ کی تقلید از بس ضروری ہے۔ آپؐ نے کبھی دوسروں کو اپنے آپ سے کمتر نہیں سمجھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب ایک مرتبہ آپؐ چند صحابہ کرامؓ کے ہمراہ سفر میں تھے تو ہر ایک صحابیؓ کے ذمہ ایک ایک کام سونپا گیا۔

آج کل کا انسان دین سے کیوں بے بہرہ ہے؟ اسلام سے کیوں ناواقف ہے اور قرآن پاک سے کیوں ناآشنا ہے؟ وجہ صرف اتنی ہے کہ ہم مغربی تہذیب کی تقلید میں اندھے ہوئے ہیں' ہماری چشم بصیرت جواب دے چکی ہے' دل بینا نابینا ہوگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''جن کے دلوں پر ہم تالے لگادیں انہیں کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔''

طائف میں جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں کو دین متین کی دعوت دینے گئے تو وہاں کے چند شرپسندوں نے آپ کو بہت تنگ کیا۔ آپؐ نے ہر قسم کے آلام ومصائب کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔ اگر آپؐ چاہتے تو ان کے حق میں بُری دعا کرسکتے تھے' مگر آپ کی بے پایاں رحمت نے کفار کی بے پناہ ایذا رسانی کے باوجود ان کے حق میں اچھی دعا فرمائی۔ آپؐ نے فرمایا: مالک! انہیں سیدھے رستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما' انہیں حق کو سمجھنے کے لئے ذہن رسا عطا کر' انہیں قرآن پاک سمجھنے کے لئے چشم بصیرت عطا فرما:

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

میرے عزیز بچو! آپ نے اس مختصر سے مضمون سے یہ اندازہ ضرور لگایا ہوگا کہ ہادی اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیشہ حق بات پر قائم ودائم رہے۔ اللہ پاک کی رضا آپ کا منتہائے مقصود تھا' یہی وجہ ہے کہ رب العالمین نے آپ کو تمام انبیاء سے بلند مقام پر فائز فرمایا۔

اللہ جل شانہ کا فرمان ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود وسلام بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی اس ذات اقدس پر درود وسلام بھیجو۔''

المختصر پیارے عزیزو! اگر تم نے اس دنیا میں کامیاب رہنا ہے اور آخرت میں سرخرو ہونا ہے تو حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت طیبہ سے سبق سیکھو' عروج کامرانی سے ہمکنار ہونے کے لئے اور خوشنودئ حق حاصل کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع از بس ضروری ہے۔

دعا ہے کہ اللہ پاک مجھ ناچیز کو اور آپ کو ہادی اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

☆☆.........☆☆

کیا واقعی ہمارے بچے.....؟

میرے بھائیو! سمجھ لو، لکھے پڑھے بھی سمجھ لیں، اَن پڑھ بھی سمجھ لیں، کہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' اسلام کا شعار اور اسلام کا بورڈ ہے، اسلام کا لباس ہے، جو شخص غیر مسلم ہوتے ہوئے اس نام کو استعمال کرے گا، یہ سرکار کی توہین ہے اور اس کو قطعاً اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی، بلکہ اس پر چار سو بیس کا مقدمہ بنے گا۔ اللہ اکبر! میرے بھائیو! کیا واقعی ہمارے بچے اب یہ بھی نہیں جانتے کہ ختم نبوت کیا چیز ہے؟ میرے بھائیو! ختم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپؐ کے آنے سے نبوت پر مہر لگ گئی ہے، اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ (تحفۂ قادیانیت سے ایک اقتباس)

7 ستمبر 1974ء کو پاکستان کی منتخب جمہوری حکومت نے جھوٹے مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی ملعون اور اس کے پیروں کاروں کو ان کے کفریہ عقائد کی بنیاد پر آئینی اور قانونی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا اس فیصلے کی یاد میں

تاریخی
عظیم الشان

ختمِ نبوّت کانفرنس

جامعہ اشرفیہ
مُسلم ٹاؤن
فیروز پور روڈ
لاہور

شمع ختم نبوت کے پروانوں سے شرکت کی درخواست ہے

5 ستمبر 2013 بروز جمعرات بعد از نماز مغرب

حکیم العصر محدث دوراں
ولی کامل عظیم العلماء
حضرت اقدس
شیخ الحدیث
مولانا **عبد المجید** لدھیانوی دامت برکاتہم
امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

استاذ العلماء
حضرت مولانا **فضل الرحیم** دامت برکاتہم
نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور

ولی کامل
حضرت مولانا **مفتی محمد حسن** صاحب
امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت لاہور

عُنوانات

- توحیدِ باری تعالیٰ
- سیرۃ خاتم الانبیاء
- حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام
- عظمتِ صحابہ و اہلِ بیت
- مسئلہ ختمِ نبوۃ
- اتحادِ اُمت

ملک کے جید علماء، مشائخ، عظام اور مذہبی و سیاسی جماعتوں کے قائدین، دانشور اور قانون دان خطاب فرمائیں گے

شعبہ نشر و اشاعت
عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت مرکز ختم نبوت لاہور

0300-4304277
042-35862404
0300-9496702
0300-4275569